انما انا قاسم واللہ یعطی

الحمد للہ والمنۃ کہ رسالہ

جواب ترکی بترکی

جسمیں آریہ سماج کے رسالہ میرٹھ کے جوابات بایمائی حضرت
حجۃ الاسلام والمسلمین جناب مولنا محمد قاسم صاحب
بانی دار العلوم دیوبند لکھے گئے ہیں اور اُسی
طرز استدلال پر جواب دیا گیا ہے ۔

باہتمام جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب مد فیوضہ

مطبع قاسمی واقع مدرسہ دیوبند میں طبع ہوا

انما انا قاسم واللہ یعطی

الحمد للہ والمنۃ کہ رسالہ

جواب ترکی بترکی

جسمیں آریہ سماج کے رسالہ میرٹھ کے جوابات ہمارے حضرت حجۃ الاسلام والمسلمین جناب مولانا محمد قاسم صاحب رح بانی دار العلوم دیوبند لکھے گئے ہیں اور اُسی طرز استدلال پر جواب دیا گیا ہے

باہتمام جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب مدفیوضہ

مطبع قاسمی واقع دیوبند میں طبع ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد سید المرسلین و علی آلہ و اصحابہ اجمعین +
بعد حمد و صلوٰۃ ناظران اوراق کی خدمت مین یہ گذارش ہے کہ رسالہ آریہ سماچار میرٹھ بابت ماہ اساڑھ
سمت ۱۹۳۹ رفتہ رفتہ رمضان شریف ۱۲۹۶ھ میں ہماری نظر سے بھی گذرا یوں تو لالہ انندلال صاحب
نے جو بیوجہ عین سی انند لعل بن بیٹھے زاید پرچہ نجم الاخبار میں سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنایا ہی تھا
مگر جواب اعتراض مندرجہ نجم الاخبار ۱۶ - مئی ۱۸۷۹ء میں تو وہ زور مارے ہیں کہ پسینہ پسینہ ہو گئے کہیں موںھ
کے آئینے پر موںھ ہی کی کھائی کہیں گوہر بے بہا سمجھکر لپکے اور پھوٹی کوڑی ہی ہاتھ آئی کہیں بحث لفظی
میں جا کودے کہیں فرق مراتب میں جا ادجھے کہیں مضامین عالیہ کے دھوکے میں خرافات نشہ بازاں میں
آدھکے کہیں کرمک شب تاب کی مانند اولٹے سیدھے کہیں جا چمکے خیر ہمیں تو یہ کہنا مناسب ہے مصرع
عمرت دراز باد کہ اینہم غنیمت ست ٭ مگر اونکو کون سمجھائے کہ تسپر بھی اعتراض مذکور جونکا توں رہا ہائے
افسوس کسی نے اونکو یہ نہ سمجھایا - آرزو میخواہ لیک اندازہ خواہ برنتابد گوہ را یک برگ کاہ منشی صاحب
کی حقیقت معلوم اونکی استعداد کی کیفیت معلوم وہ تو وہ اونکے پیر و مرشد تو اس پہاڑ سے اعتراض کو
اوٹھا دو اور یہ بھی جو کچھ کیا در پردہ اونھوں ہی نے کیا ہوگا موافق شعر مشہور ؎ چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے
ستمگاری میں ٭ ہے کوئی اور ہی اس پردہ زنگاری میں ٭ کون نہیں جانتا کہ پنڈت جی ہی منشی جی
کے سر بول رہے ہیں مگر کہنے کو خاکا تو منشی جی کا اوڑیگا مہملات مندرجہ رسالہ کے بدلے اودھر سے
بے نقط منشی جی ہی سنیں گے - لالہ صاحب آپنے اپنا کام کیا ہوتا مباحثہ علمی میں آپنے ناحق پانو اڑایا

اور چوٹ کھائی اپنی زبان کو اپنے موںہہ میں لئے بیٹھے رہتے تو اچھا تھا غنچہ لب بستہ سے
باد صبا کو ضد نہ تھی یہ موںہہ کھلا گل کا تو دامن بھی ہوا پھر چاک چاک ؛ لالہ صاحب آپکے مضامین
کی حقیقت جن پر آپ کو ایسا ناز ہے جیسے حسینوں کو اپنے رخ و کاکل پر ہوا کرتا ہے وہ تو
آپ کو تفصیل وار کھلتی جائے گی پر آپکے اوس ناز بیجا کا جتانا بھی میرے ذمہ ضرور ہے جس میں
بزعم خود آپ نے بہانہ مثل عین غین نے زبر عف غین نے زبر غف میرا نام محمد یوسف ہمارے حضرت پیغمبر
صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت یوسف علیہ السلام کی توہین کا دم بھرتے ہیں لالہ صاحب آپ
کسی مکتب میں پڑھتے تو یوں نہ فرماتے پادہاسی پڑا ہے آپ اب جو فرماؤ بجا ہے خود فہم نہ تھا
تو کسی اور ہی سے پوچھ لیا ہوتا کہ مثل مشہور عین نے زبر عف غین نے زبر غف میرا نام
محمد یوسف میں اسم محمد یوسف کی تعریف ہے توہین نہیں یہ مثل ایسے موقع پر استعمال کرتے ہیں
جہاں مطلب و مقصد عالی ہو پر سامان خراب ہو اور غرض یہ ہوتی ہے کہ ان سامانوں سے اس
مطلب عالی کا حصول معلوم سو جیسی مطلب کی خوبی اور سامانوں کی خرابی میں وہاں اشارہ
ہوتا ہے اسم کی خوبی اور ہجوںکی خرابی کی طرف یہاں پہلے اشارہ ہوگا مگر آپ یوں تو
کاہیکو سمجھنے لگے آپ کی اصطلاحوں میں آپ کو سمجھانا چاہئیے۔ لالہ صاحب سنئیے کسی حاکم
کا پیادہ روز آتا تھا اور لالہ لوگوں میں سے ایک نہ ایک کو پکڑ کے لیجاتا تھا اور گوشت تلواتا تھا
ایک بنیا بنینی کے پاس بیٹھے بیٹھے کہا کرتا میرے پاس کبھی وہ پیادہ آیا تو دیکھنا کیسی باٹ سر میں
صحیح کرتا ہوں اونکی قسمت سے ایک دن اون کے گھر بھی آپہونچا باٹ ترازو بغل میں دبا لالہ کو بھی جانا
ہی پڑا واپس گھر آئے تو بنینی نے کہا لالہ تم تو بہت کچھ کہا کرتے تھے وہ بہادری کہاں گئی لالہ تو بولے
کمبخت کی اوت اخل گئی ہے بنئیے کی مار یہی ڈنڈی کی مار دہڑی پاس تھا تو ہمنے دھڑی چار سیر ہی
اوتارا ہے غرض جیسے وہ لالہ ڈنڈی مار کے حاکم اور پیادہ کو مار آئے تھے ایسے ہی آپ بھی لالہ صاحب
اپنی فہم کا خاکا اوڑا کر اسم مبارک محمد یوسف کا خاکا اڑاتے ہیں ورنہ اہل زبان کے نزدیک تو اس تمثیل
میں نہ اسم کی توہین نہ مسمٰی کی تذلیل اگر ہے تو تعریف اسم و مسمٰی ہے مطلب یہ ہے کہ ایسے نا ربط ہجوں سے
ایسا موزون نام حاصل نہیں ہو سکتا جس کا حاصل وہی خوبی اسم مسمٰی نکلتی ہے مگر آپ اپنی لیاقت
کے موافق سمجھکر اپنیوں پر آگئے اور گوز منکوس کی طرح موںہہ پر جو آیا بکنے لگے۔ لالہ صاحب اول

تو یہ سمجھنا اپنی بے سمجھی کا جھنا ہے اور ایسی ولٹی سمجھے بھی تھے تو پیٹ میں رکھنا تھا اور فرض
کیا ہضم دشوار تھا تو کیا موںہہ کی راہ اوگلنا تھا اور وہ بھی ہمارے سامنے جسکے یہ معنی کہ ہمارے پیشوایان
دین پر آوازہ کستے ہیں تو ہمیں کو سُناتے ہیں ہماری سُنئے اِسکے جواب میں تمکو کچھ کہیے تو تم کس
کھیت کے بتھوے ہو اور موافق مثل مشہور کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا تمہاری حقیقت ہی کیا ہے
جو تمکو کہکے دل کے ارمان نکلیں اور تمہارے بڑوں کو سُنائیں تو ان بیچاروں کا کیا قصور اور کچھ نہ کہیے تو
موافق مصرعہ مشہور ہماری جان گئی آپ کی ادا ٹھہری ۔ آپ ایسے کب ہیں جو یوں باز آجائیں حاکموں
تک جائیں تو وہاں ہندو لوگ موجود ادھر مقدموں کی پیروی کو روپیہ چاہیے وہ کہاں سے آئے
پھر آپ مجبور یوں کہنے کو تیار کہ جواب نہ آیا تو حاکموں تک قصہ پہونچا یا غرض کوئی صورت سمجھ میں نہیں
آتی فقط تسلی ہے تو اس مثل سے ہے کہ کھانا گو رائیگاں گیا پر بلی کی حقیقت تو معلوم ہو گئی غرض ان
باتوں سے آپ کی لیاقت کھل گئی پھر اسپر طرہ یہ کہ آپنے گو بصراحت نہ کہا پر اپنے اشاروں میں
ہمارے دعوی کو مدلل کر دیا ناظران اوراق اگر حقیقت شناس ہونگے تو یہ خود سمجھ جائیں گے کہ واقعی
اعتراض مذکور لاجواب ہے یعنی وقت جواب موںہہ کی وہی آتا ہے جو موںہہ کی کہاتا ہے مردان دلاور
معرکۂ جنگ میں دشنام زبان پر نہیں لاتے اور دانشوران علم پرور مناظرہ میں خلاف تہذیب
کسیکو نہیں سناتے البتہ زنانے ہیجڑے نامردے کمینے ضرب پاپوش کے بدلے گالیاں دیا کرتے ہیں اور
جاہل نادان کودن بے ہنر جواب کے بدلے دشنام سے کام لیا کرتے ہیں اب بجز اسکے اور کیا کہئے مرحبا
آفریں ہزار آفریں ۔ این کار از تو آید و مردان چنیں کنند کیا مزے کی بات ہے کہ آپ بُرا کہیں اوروں کو اور بُرائی
نکلی آپ کی لا الصاحب چاند پر خاک ڈالنے سے چاند کا تو کیا نقصان ہاں خاک ڈالنے والے کی لیاقت عیاں
ہو جاتی ہے اور کیوں نہو جہاں عقل سے کام نہ لیا جائے وہاں اور کیا کیا جائے اگر عقل تھوڑی بہت
کہیں سے ملجاتی تو یہ بات سمجھ میں آجاتی کہ مثالوں پر اس قسم کی گرفت وہ بھی جسمیں پیشوایان مذہب کیطرف
تعریض ہو نہ مناظرہ میں داخل نہ آدمیت کے مناسب مثالوں میں فقط اتنا دیکھا جاتا ہے کہ مثل لہ پر منطبق
ہے یا نہیں یہاں یہ غرض تھی کہ جیسے ان سجوں اور اسنوع ان میں کچھ ارتباط نہیں ایسیطرح دلائل و مطالب
میں بطریق بے ارتباطی ہو اس انطباق کی تصحیح و تغلیط کے بدلے فقط براہ دل آزاری کچھ اور سنانے لگے اور یہ
نہ کرتے تو کیا کرتے اہل اسلام سے مقابلہ تھا اور موافق مصرعہ شکن ۔ ہو آج سلام کے مقابل اویکی

جو تی اوسکا سر ہے + یوں عہدہ برآئی کی امید نہ تھی ناچار یہ تیرہ اختیار کیا اور یوں اپنے جوہر اوگلے القصہ نہ
تمثیل مذکور میں اہل فہم کے طور پر اسم مبارک محمد یوسف کا خاکا اوڑتا ہے اور نہ خجالت کی تمثیل ہے ہاں
آپکی فہم کا اس بدفہمی سے خاکا اوڑتا ہے اور اس تمثیل کو خجالت کی تمثیل کہنے سے اہل معنی اور اہل
زبان دونوں کے نزدیک آپکو خجالت لازم ہے سبحان اللہ کیا موزوں اور کیا محاورہ دلچسپ ہے اُردو کی
ٹانگ توڑ کر آپ بھی منشی بن بیٹھے لالہ صاحب یہ بحث علمی ہے پرچون کی دوکان نہیں جو کسی بنیا سے
ڈھونچا پونچا سیکھا اور دوکان کے ٹیڑ پر آ جے اگر آپکو مناظرہ کرنا ہے تو اہل علم کی طرح کیجیے اور ان بد زبانیوں
کو جانے دیجے ورنہ مونہہ کی بات دوڑ جاتی ہے اس زبان کو پتے دیکھئے آپ کو کیا کیا اوگلنا اور نگلنا
پڑے اب تو جو کچھ ہوا سو ہوا آیندہ ہم عرض کیے دیتے ہیں شعر مومن + ہم نکالیں گے سن اے موج ہوا بل تیرا +
اوسکی زلف کے اگر بال پریشاں ہونگے + ورخانہ اگر کس است یک حرف بس است۔ اب لازم یوں ہے
کہ لالہ صاحب کے جواب کی قلعی کھولیے ناظران اوراق ہشیار ہو بیٹھیے بنام خدا کیسے کیسے مضامین باصفا آپکے
گوش معلی کے نذر کرتا ہوں کسی معترض نے کہا تھا کہ بنا بر خداوندی خدا کی غیر مخلوق ہونیپر ہے مادہ مجوزہ
پنڈت صاحب اگر غیر مخلوق ہوا تو مادہ کیا ہوا دوسرا خدا نکلا اوسپر حضرت مجیب فرماتی ہیں خدا کی صفات
کی تعداد نہیں سب اکٹھے ہوں تو خدا ہو فقط غیر مخلوق ہونے سے خدائی کو کیا علاقہ یہ تو معترض اور
حضرت مجیب کا جھگڑا تھا اب ہمارے فیصلہ کی سنئے ایسے لوگ تو پہلے بھی ہوئے ہیں کہ اوروں کی نہ سمجھیں
پر ایسے نہ ہوئے ہونگے کہ ماشاء اللہ اپنی بھی نہ سمجھیں یہ منصب ہمارے حضرت مجیب ہی کے نصیب ہے ہوئے
کوئی حضرت سے جاکر پوچھے کہ علت و معلول ملزوم و لازم کا ارتباط باہمی چھپا نہیں رہتا خدائی کو سب صفات
سے کیا علاقہ خدائی کسی نسخہ کا مزاج مرکب نہیں جو بہت اجزا کے اجتماع کی ضرورت ہو تیسرے صفات معلول
ذات ہوتی ہیں ذات اور مناصب ذاتیہ کو معلول صفات کہیں نہیں سنا تھا مگر اس کلجگ میں پنڈت
جی اور اونکے چیلوں کی برکت سے یہ بھی دیکھ لیا افسوس علم اوٹھ گیا ایسے لوگ پیشوائی کرنے لگے جنکو پس و پیش کی
تمیز نہیں پھر یہ اور غضب ٹوٹا کہ ایسوں سے پالا پڑا ابھی تو کیسے عالی فہم معترض کو جی میں آتا تھا یہ شعر حسب حال
معترض و مجیب پڑھوں + ظہور حشر ہوا الی آخرہ۔ مگر یہ ڈر ہے حضرت مجیب کے چین نازک پر بل پڑ جائیگا اسلئے
ع + نہیں پڑھتا نہیں پڑھتا نہیں پڑھتا لیجے لالہ صاحب کیسے دو شعر دلچسپ آپکے حسب دلخواہ
دماغ سے اوتار کر لاتا ہوں اور آپکو سناتا ہوں + اپنی ناکامی تو تھی ہی سخت جانی کے سبب + قاتل نازک ہے

بھی لوہکو ترسانا پڑا ۔ قائل بیدرد توانبی سی ہمدم کرچکا ۔ اب مجھے اوسکی نزاکت ہی پر مرجانا پڑا ۔ لالہ صاحب آپنے اپنا سا
تو بہت زور مارا پر افسوس بال بھی نہ کھسکا بال کی کھال نکالتا ہوں تو اپنی موشگافیاں رائگاں جاتی ہیں اور
بات کو اولجھی چھوڑتا ہوں تو اوروں کی اوبجھنے کی دور اندیشیاں جان کھاتی ہیں خیر آپسے توقع فہم کسی بفہمی کو
ہو تو ہو مگر ہاں یوں سمجھکر کہ دلی میں ٹیرھ وغیرہ کی پرانی تعلیم کے تعلیم یافتوں میں سے شاید کسیکی نظر پڑجائے تھوڑا
بہت عرض کئے دیتا ہوں سولہ چار کا جذر دو کا آٹھ گنا چار کا چوگنا آٹھ کا دونا بارہ کا ایک اور ایک ثلث
بھی ہے اور منقسم متساوین بھی ہے مگر اوسکی زوج ہونے کا مدار فقط انقسام بمتساوین پر ہے اور صفات
کو اوس سے علاقہ نہیں ہاں جسکو فہم سے علاقہ نہو اوسکے نزدیک سولہ کی زوجیت کو اوسکی اور صفات سے بھی علاقہ
ہو تو ہو اور سنئے آتش مصدر حرارت ہے منور بھی ہوتی ہے سرخ و سبز بھی ہوتی ہے نازک و لطیف بھی ہوتی
ہے خشک و آبدار بھی ہے مگر اوسکے آتش ہونیکا مدار اوسکی مصدریت حرارۃ پر ہے اور صفات پر نہیں ہاں فہم
نہو تو جسکو چاہو اوسکا مدار بناؤ اور سنئے آفتاب گول بھی گرم بھی ہمسے ایک فاصلہ خاص پر بھی ہے جسکے
سبب کسی سیارہ سے نیچا اور کسی سے اونچا ہے اور اوسکے ساتھ مصدر النور بھی ہے مگر سب جانتے ہیں کہ اوسکی
خود روشن ہونے اور اوروں کے روشن کرنے کیلئے فقط اوسکا مصدر النور ہونا درکار ہے ہاں کودن
بیوقوف تمام اوصاف مذکورہ پر اوسکی روشنی اور روشن کرنیکو چسپاں کریں تو کون مانع ہے دو انگشت
کی زبان اور چھوٹا سا قلم کافی ہے اور سنئے معشوق لوگ جیسے حسین ہوتے ہیں ایسے ہی اور اوصاف
بھی اونمیں ہوتے ہیں مسلمان بھی ہوتے ہیں کافر بھی ہوتے ہیں شریف بھی ہوتے ہیں رذیل بھی ہوتے
ہیں اور قوموں میں سے بھی ہوتے ہیں لالہ لوگوں میں سے بھی ہوتے ہیں خوش اخلاق بد اخلاق
سخی بخیل وغیرہ بھی ہوتے ہیں یورپین بھی ایشیائی بھی افریقی امریکی بھی مگر سب جانتے ہیں اونکے معشوق
ہونیکا مبنی اونکے حسن و جمال پر ہوتا ہے اور اوصاف پر نہیں ہوتا ہاں عقل کو طاق میں اوٹھا رکھئے تو بھی
جسکو چاہو معشوقیت کا مبنی بنادو اور سنئے بادشاہان دنیا حسین بھی ہوتے ہیں کمرو بھی ہوتے ہیں قوی
بھی ہوتے ہیں ضعیف بھی ہوتے ہیں ہنرمند بھی ہوتے ہیں بے ہنر بھی ہوتے ہیں ہر قوم کے ہوتے
ہیں ہر ملک کے ہوتے ہیں مگر اہل فہم کو معلوم ہے کہ اونکی بادشاہت و سلطنت کی بنا اونکے تسلط پر ہوتی
ہے اور اوصاف کو اوس سے کچھ تعلق نہیں ہوتا ہاں عقل کے دشمن جس بات کو چاہیں بنا سلطنت بنادیں
ان چار پانچ مثالوں پر قناعت کرکے اہل فہم کی خدمت میں یہ گذارش ہے کہ خدا اوسکو کہتے ہیں جو خود موجود ہو

کسی اور کے وجود پر اوسکے وجود کا سہارا نہو چنانچہ لفظ خدا خود اسپر شاہد ہے حقیقت شناسان عالی فہم
تو درکنار فقط زبان دانان سخن سنج بھی اتنی بات سمجھتے ہیں گو لالہ اندلال صاحب باین وجہ کہ وہ نہ الی الذی نہ
اولی الذی اتنی بات بھی شاید سمجھتے ہوں مگر جب خود ہی اسکا نام ٹھیرا کہ وجود خانہ زاد ہو وجود مستعار نہو تو پھر ادنی
عقل والا بھی اسپر شاہد ہو سکتا ہے کہ مدار خدائی خداوند عالم فقط اوسکی غیر مخلوق ہونے پر ہے اور صفات کو
اوس سے کچھ علاقہ نہیں ہاں فہم کو بغل میں مار برقع حیا کو مونہہ سے اوتار جو چاہو سو کہدو سو لالہ اندلال صاحب کا یہ
قول اگر اسی طور کا ہے تو ہم ہارے وہ جیتے ورنہ وہ خود بول اوٹھیں گے اور دنیا کی ہنسائی اور آخرت کی روسیاہی
کا خود فکر کر لینگے ور علی رؤس الاشہاد یہ کہدیں گے کہ خدا کی خدائی کا مدار بالبداہتہ اوسکی غیر مخلوق ہونے پر
ہے اور اس امر میں پنڈت جی کے طور پر خدا اور مادہ دونوں شریک اسلئے پنڈت جی کے چیلوں کو واقعی
دو خدا اونکا ماننا پڑیگا اور پھر اجزاء لاتتجزی کے لحاظ سے تو یہ خدائی تعداد میں بندگی سے زیادہ رہیگی اور
پنڈت جی کی توحید بت پرستوں کی بت پرستی ور نصاریٰ کی تثلیث سے بھی بدتر ہو جائیگی اور یہ کہکر
امید یوں ہے کہ پنڈت جی کا جنیو توڑ اور اونکی پنتھ سے مونہہ موڑ کسی مسلمان کے ہاتھ پر توبہ کر سچے دل سے
مسلمان ہو جائیں گے مگر دیکھئے یہ سب باتیں فہم سے متعلق انصاف پر موقوف جب خدا کی ان باتوں میں
ضرورت ور اس زمانہ میں چراغ لیکر ڈھونڈتے تو ان کا تو نکا پتہ نہیں خیر وہ جانیں اونکا کام جانے ہماری بلا سے
ہمیں اپنے مطلب سے مطلب وہ کہئے جسکی ضرورت ہے یہ تقریر تو صاحبو متوسط الفہم صاحبوں کے لیے تھی دو ایک
تقریر اہل فہم کی نذر کیلئے بھی چاہئے اسلئے اول تو یہ گذارش ہے کہ فرق باہمی دو طرح کا ہوتا ہے ایک تو
فرق مرتبہ دوسرا فرق حقیقت اول کی مثال درکار ہے تو ذرہ سے لیکر آفتاب تک مراتب نور کا تفاوت
ملحوظ رکھنے کے قابل ہے اور دوسرے کے نمونہ کی ضرورت ہے تو تباین انسان و اسپ و خر و فیل و شتر و گاؤ و استر
وغیرہ حیوانات پیش نظر رکھنے کے لائق ہے وجہ تسمیہ خود ان مثالوں سے ظاہر ہے یعنی نور ذرہ و کواکب و قمر و آفتاب
درحقیقت سب ایک حقیقت کے افراد ہیں اسی لئے سبکو نور کہتے ہیں ہاں کوئی نیچے کے مرتبہ میں ہے اور کوئی
اوپر کے مرتبہ میں اور انسان و اسپ وغیرہ کو کوئی نادان بھی افراد حقیقت واحدہ نہیں کہہ سکتا بلکہ بوجہ اختلاف
حقیقت ہر ایک کو ایک نوع جداگانہ سمجھتا ہے اور اسیوجہ سے ہر ایک سے جدی طرح پیش آتا ہے پہلے فرق کو جیسے
فرق مرتبہ کہتے ہیں ایسے ہی فرق تشکیکی بھی کہتے ہیں اور دوسرے فرق کو جیسے فرق ماہیت اور فرق حقیقت کہتے
ہیں ایسے ہی فرق تقسیمی بھی کہہ سکتے ہیں یعنی اس قسم کا فرق ہے جیسے فرض کیجئے سطح کو مختلف ٹکڑوں

پر تقسیم کریں اور اوس تقسیم کے باعث کوئی ٹکڑا مثلث کوئی مربع کوئی دائرہ کوئی مخروف وغیرہ نکل آئے سو جیسے
سطح کے ٹکڑوں میں فرق خوشنمائی بدنمائی موزونیت غیر موزونیت گو ہو مگر اہل نظر کے نزدیک وہ سب
ٹکڑے سطح کے حساب سے برابر کے درجہ میں ہیں اور وہ فرق خوشنمائی وغیرہ اگر ہے تو طالبوں کے اعتبار سے ہے
سطح کے اعتبار سے نہیں ایسے ہی فرق حقیقت میں جسکو فرق تقسیمی بھی کہا ہے تقسیم کے حساب سے سب افراد
برابر کے درجہ میں ہوتے ہیں کسی صاحب شوق کے حساب سے گو باہم متفاوت المراتب ہوں یعنی یہ تفاوت
مراتب اس قسم کی افراد میں خارجی ہوتا ہے اصل کیطرف سے یعنی مقسم کیطرف سے نہیں ہوتا گو اوسکو بھی بلحاظ
شکل و صورت دوسری اصل کیطرف راجع کرسکیں اور افراد متفاوت المراتب میں یعنی جنمیں فرق مرتبہ بطور فرق
حقیقت نہو باعتبار اصل اور مقسم کے فرق ہوتا ہے دیکھ لیجئے آفتاب کا نور شدید ہے اور قمر کا اوس سے ضعیف
کواکب کا اوس سے کم غرض وہ نور جو اصل جملہ افراد نور ہے سب میں ایسی طرح یکساں نہیں جیسے مثلث مربع
وغیرہ میں سطح یکساں طور پر موجود ہے یعنی یہ نہیں کہ جیسے آفتاب کو مثلاً نورانیت میں فوقیت ہے ایسے ہی
مثلث کو مثلاً سطحیت میں فوقیت ہو عاقلوں کے نزدیک یہ باتیں واجب التسلیم ہیں ورنہ نادان خود خدا کے
گھر سے بقدر نادانی مرفوع القلم ہیں ہماری تو وہ کیا سنیں گے جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو اور
سنئیے اجتماع جملہ مراتب متفاوت فی الظہور تو فقط اوسی فرد میں ہوتا ہے جو مصدر وصف ہوتا ہے
اوسکے بعض افراد گو اور افراد سے وصف صادر میں زیادہ ہوں مگر آخر اوس مصدر سے پھر کم ہی ہوتے ہیں
یہی وجہ ہے کہ خدا کا وجود سب میں اقوی اور جامع جملہ کمالات ہے اور اورونکا وجود یہانتک کہ اوسکی
صفات کا وجود بھی اوسکے ہم پلہ نہیں ہوسکتا غرض چونکہ خدا تعالی مصدر وجود ہے اور سوائے اوسکے اوسکی
صفات تو ایسی طرح سے اوسکا پرتوہ اور اوس سے صادر جیسے شعاعیں پرتوہ آفتاب اور اوس سے
صادر اور مخلوقات ایسی طرح اوس سے اخذ اور قابل جیسے زمین وغیرہ آفتاب سے اخذ و قبول نور
کرتی ہیں اسلئے نہ صفات باری ہی وجود میں اوسکے ہم پلہ ہوسکتی ہیں اور نہ مخلوقات ہی اوسکی
ہمسر ہوسکیں ہاں اگر اور کو مصدر وجود مانئیے تو پھر خواہ مخواہ یہ کہنا پڑیگا کہ اوسکا وجود کسی اور سے صادر
یا ماخوذ اور مستعار ہے کیونکہ باعتبار موصوف اوصاف کے کل یہی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ اپنے موصوف میں
سے نکلیں جیسے دیکھنے میں آفتاب کا نور اور آتش کی حرارت بظاہر کوئی یوں نہیں کہہ سکتا کہ آفتاب
کا نور کسی اور نیری اور آتش کی حرارت کسی اور حار سے ماخوذ ہے دوسرے یہ کہ کہیں اور سے نکلیں اپنے

اپنے موصوف پر واقع ہوں جیسے قمر کا نور اور آب گرم کی حرارت قمر کا نور اصل میں آفتاب سے نکلتا ہے اور
قمر پر واقع ہوتا ہے گو اوس کے بعد اوس سے نکلکر اوروں پر واقع ہو اور آب گرم کی حرارت اصل میں
آتش کا فیض ہے گو آب گرم آتش سے ستنفیض ہو کر اورونکو فیض پہونچائے یعنی گرم کردے اور
جب باعتبار موصوف یہ دو قسمیں ہیں تو تیسری قسم یہ اب نکل آئی کہ نہ مصدر کیطرف منسوب ہو اور نہ محل
کیطرف بلکہ خود اپنی طرف منسوب کر کے دیکھیں مگر یوں دیکھینگے تو یہی کہنا پڑیگا کہ نہ وہ مصدر ہے نہ محل ہے بلکہ
اوروں سے صادر ہو اور اورونکا پر تو ہے مگر جب یہ انحصار ہے اور خدا کو فرض کرو موجود ہو کر مصدر وجود
نہیں تو یہی کہنا پڑیگا کہ اوسکا وجود کسی اور سے مستعار اور ماخوذ ہے یا اورونسے صادر اور اورونکا پر توہ
اور اسلئے مصدر وجود اور ماخذ وجود ہے اوسکو وجود میں کم کہنا پڑیگا اور بشرط متساوی قابلیت و قرب و بعد من
المصدر اورونکی برابر یعنی جو افراد مصدر وصف نہیں ہوتے وہ قابل وصف ہوتے ہیں اور قوابل میں بقدر
تفاوت قابلیت اور نیز بقدر قرب و بعد مصدر آمد وصف مقبول میں فرق ہوتا ہے آئینہ مثلاً اور اجسام
سے زیادہ قابل ہے اوسمیں نور آفتاب بھی اورونسے زیادہ آتا ہے پھر اگر وہ آئینے مثلاً صفائی اور جلا
میں تو برابر ہوں مگر ایک آفتاب سے قریب اور دوسرا بعید تو نور میں بھی اوسیطرح فرق کمی بیشی ہوگا جیسے
حرارت میں بوجہ قرب و بعد آتش و اجسام مقابلہ فرق نمایاں ہوتا ہے غرض اس صورت میں اور جو کوئی
قابلیت وجود میں خدا کی برابر ہوگا پھر مصدر وجود سے قرب و بعد میں بھی خدا کے ہم پلہ ہوگا تو وجود میں بھی
اوسکے برابر ہیگا مگر جب اوسکو صادر یا قابل وجود مانا تو یہ بھی لازم ہے کہ خدا انہو خدا کو یہ لازم ہے کہ وجود
میں اورونکا محتاج نہو اور محتاج نہیں تو صادر و قابل بھی نہوگا اور اسی وجہ سے اوسی مصدریہ معروضہ کا
اقرار لازم ہوگا اور اس جامعیۃ کمالات وجود کو اوسی مصدریۃ کا ثمرہ کہنا پڑیگا اور یہ بات واجب التسلیم ہوگی
کہ مصدر جامع جملہ مراتب وصف ہوتا ہے اور سوا اوسکے اور کوئی اوسکے اس کمال میں اوسکا شریک اور
ہمتا نہیں ہوتا مگر اس مرتبہ میں یعنی درجہ مصدریۃ میں فرق کا نام و نشان نہیں ہوتا ہے یہ فرق مراتب
صدور اور اوس وصف صادر کی اورونپر واقع ہونے سے پیدا ہوتا ہے یعنی صادر اور مصدر میں صدور کے
سے اور مصدر اور محل وقوع میں بعد صدور وقوع اور عروض سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ مصدر وصف
صادر میں معروض سے زیادہ ہے اور صادر اور معروض اوس سے کم پھر معروضونمیں بھی اگر فرق ظہور
وصف نمایاں ہوتا ہے تو اس عروض ہی سے ہوتا ہے یعنی وصف صادر کی افراد متفاوتۃ القابلیۃ پر

واقع ہونے سے یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ اوس محل میں وصف صادر زیادہ نمایاں ہے اور اس محل میں کم
غرض یہ تفاوت بعد صدور وعروض ظاہر ہوتا ہے قبل صدور وعروض اُسکا پتا نہیں ہوتا اور اس لئے
قبل صدور وعروض مرتبہ وصف مصدر میں ترکیب کا خیال وہمیو نکا کام ہے اہل عقل کو بساطۂ پر ایمان لازم
ہے کیونکہ ترکیب ترکب کے لئے تعدد اجزار کی حاجت اور تعدد کو فرق اور تفاوت کی ضرورت جب
یہ نہیں تو وہی اتحاد و بساطۃ ہوگی ترکب اور ترکیب کی اوس مرتبہ میں گنجایش نہوگی الغرض سلسلہ مراتب میں
بساطۃ اور اتحاد اول ہوتا ہے اور فرق اور تفاوت بعد میں مگر افراد متفاوتۃ الحقیقت کا قصہ اسکے برعکس ہے
وہاں وحدت بعد میں آتی ہے اور تعدد اول ہوتا ہے اجتماع بعد کو ہوتا ہے اور فرق اور افتراق اول
ہولیتا ہے ظاہر ہے کہ دواؤں میں باہم فرق حقیقت ہے مثل مراتب نور و حرارت فرق مراتب مذکور نہیں
علی ہذالقیاس کاغذی بیل بوٹوں کی اجزار یعنی اون سطوح مختلف الاشکال میں بھی جن سے ملکر بیل بوٹے
حاصل ہوتے ہیں وہی فرق حقیقت مذکور ہے فرق مراتب معروض نہیں سو نسخہ مرکب اور اوسکے مزاج مرکب
کی ہیئت ترکیبی جسپر دار مدار وحدت عارضہ ہے علی ہذالقیاس بیل بوٹوں کی وہ ہیئت حاصلہ جسکو ہیئۃ
ترکیبی کہتے ہیں اور جسپر اونکی خوش نمائی بدنمائی اور اوس وحدت کا مدار ہے جسپر وحدت اسم یعنی بیل بوٹا
مثلاً دلالت کرتا ہے بعد میں حاصل ہوتی ہیں اور وہ فرق و تعدد باہمی پہلے سے موجود ہے الغرض پہلی
صورت میں وحدت مقتضائے ذات اور لازم ذات اور اصلی اور ذاتی ہوتی ہے اور فرق اور تعدد اور تفاوت
خارج اور عارض اور بالتبع اور بالعرض ہوتا ہے اور صورت ثانیہ میں فرق اور تعدد اور تفاوت تو اصلی
اور ذاتی ہوتا ہے اور وحدت اور بساطت خارجی اور عارضی جب یہ بات ممہد ہو چکی تو یہ بات معروض ہے
کہ علم و ارادہ قدرت لطف و قہر و عدل وغیرہ صفات جناب باری میں بالبداہت فرق حقیقت ہے فرق
مراتب نہیں اسلئے انکے اجتماع سے جو امر وحدانی حاصل ہوگا اور بالیقین ایک امر عارضی اور خارجی
ہوگا سو خدائی کو اگر اون سبکی اجتماع پر موقوف کہیں جیسا جناب مہا پنڈت لالہ اند لال نے ارشاد
فرمایا اور اونہوں نے کیا ارشاد فرمایا ہے موافق مصرعہ مشہور۔ آنچہ استاد ازل گفت ہماں میگویم۔ بڑے
پنڈت صاحب کی کھڑاونکا صدقہ ہے تو یوں کہو خدائی مثل مزاج مرکب نسخہ مرکب ہے بذریعہ علم کیمیاوی اگر کسی
یورپین ڈاکٹر سے تحلیل اجزاء کرالیں تو خدائی تو رفوچکر ہوا اور اجزاء معلومہ یوں ہی ادہر اودہر بکھرے پھریں صاحبو
اس صورت میں تو دنیا گل کھلا کہ خدا ایک مرکب چیز اور خدائی ایک مزاج مرکب یا یوں کہو ایک ہیئت ترکیبی نکلی

سبحان اللہ پنڈت جی کی پنتھ میں بھی خدا کی کیا قدردانی ہے اسپر لالہ انندلال صاحب پنڈت جی کی بات بات پر قربان ہوئے جاتے ہیں اجی لالہ صاحب ابھی کچھ نہیں گیا سنبھلئے آنکھیں کھولئے ہوش میں آئیے موہنہ سے بولئے کون ٹھکانے کی کہتا ہے میں یا پنڈت جی اگر آپ ہماری جوتیاں سیدھی کرتے تو یوں قدم قدم پر کیوں پھسلتے پھرتے **شعر** اگرت ازرہ و رہبران جستجو است ٭ بیا کیں طرف راہ ایں آرزو ہست ٭ کہئے لالہ صاحب اور تو اور اب تو آپکو بھی یقین ہوگیا کہ آپ اپنی بھی نہیں سمجھتے مرحبا آفریں ہزار آفریں آپکا مذہب اسی قابل تھا کہ آپ اوسکو یوں رسوا کریں کیا مزیکی بات ہے لالہ صاحب بیٹھے بٹھے مدار خدائی بتلانے خدا میں ترکیب ثابت کر گئے دیکھو کیا خجالت کی دلیل ہے مگر جہاں عقل سے کام نہ لیا جائے وہاں اور کیا کیا جائے لالہ صاحب اب میں آپسے پوچھتا ہوں مدار خدائی خداوند برحق اگر اوسکی صفات کاملہ پر اسطرح سے ہے جیسے مدار مزاج مرکب نسخہ مرکبہ اور اوسکے اجزا کی تاثیرات خاصہ پر تو اوسکا انجام آپکو معلوم ہی ہوگیا معہذا اسکے ساتھ یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ ساری صفات اکھٹی ہوگئیں تو پوری خدائی ہی نہیں تو بقدر اجزا کچھ خدائی کا حصہ ملگیا جسکا انجام یہ ہوگا کہ آپ بھی بوجہ تہت علم و اخلاق حمیدہ ایک بڑے حصہ خدائی کے مالک ہوئے بلکہ باین لحاظ کہ نسخہ مرکبہ میں اگر ایک جزو کی کمی رہجائے تو تاثیر میں چنداں فرق نہیں رہتا اور اس لئے اوس نسخہ کو اوسی نام سے تعبیر کرتے ہیں جو اوسکا نام ہوتا ہے یہاں بھی یوں ہی کہہ سکتے ہیں کہ آپ میں اور خدا میں فقط اتنا ہی فرق ہے کہ وہ غیر مخلوق ہے آپ میں یہ بات نہیں اسلئے آپکے اور خدا کے مرتبہ میں چنداں فرق نہوگا اور وہی لفظ خدا آپ پر بھی بولا جائیگا جو خدا پر بولا جاتا ہے اور اگر صفات خداوندی میں سے ہر ہر صفت پر مدار خدائی ہے تو یوں کہو گھر گھر خدائی آگئی صفات مذکورہ میں سے کوئی نہ کوئی تو ہر کسی میں ہے اور یہاں تو گھر گنگا آگئی کیوں پنڈت جی کے چیلے بنے اور اونکا جنیئو پہنا اور کیوں خدا کے بندے کہلائے اور فکر آخرت سر پر لیا علم و فہم میں قدم رکھا ہی یا ہے خود تاج خدائی سر پر رکھ لو علم سے بڑھکر تو خدا کی صفات میں بھی کوئی صفت نہیں وہی جب بے محنت بے سوال ہاتھ آگیا تو خدائی میں کیا کسر رہگئی اور اگر صفات مذکورہ پر مدار خدائی نہیں تو اور کاہے پر ہے اوسکے غیر مخلوق ہونے پر ہے اور اب یہی کہوگے تو ذرا چشم شرمگیں اوپر کو اوٹھا کر فرمائیے تو سہی کہ مادہ مجوزہ پنڈت صاحب نے اسوقت کیا قصور کیا ہے جو وہ تو خدا نہوا اور خدا فقط خدا رہی مناظرہ میں آگئی ایسی لنتڈوری بات تو انکو دیکھکر مجھکو یہ شعر یاد آتا ہے ؎ یوں حسن میں ہیں اور بھی کم اور زیادہ ٭ پر آپ ہیں ایک ستم اور زیادہ ٭ غرض فہم میں کم و زیادہ تو ہمیشہ سے ہوتے آئے ہیں پر یہ ستم کسی نے نہیں کیا کہ مدار

خدائی تمام صفات کو بتلادے قبل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نتھا ، پر ترے عہد سے آگے تو یہ دستور نتھا
لالہ صاحب بغرض توضیح اتنا اور کہے دیتا ہوں کہ مدار اوسکو کہا کرتے ہیں کہ جسکا وجود و عدم کسی اور کے وجود
وعدم کا موقوف علیہ ہو اور وجہ مدار کہنے کی یہ ہے کہ مدار اصل میں اوس دائرہ کو کہتے ہیں جسپر حرکت واقع
ہو اور چونکہ حرکت مستدیرہ کو یہ لازم ہے کہ دائرہ حرکت یعنی مدار چھوٹے ورنہ حرکت مستدیرہ پھر حرکت مستدیرہ
نہ رہے گی ایسے ہی ظہور آثار حقائق اشیاء کی لئے یہ لازم ہے کہ موقوف علیہ جو دنہ چھوٹے ورنہ پھر وہ چیز
نہ رہے گی بلکہ اوسکی حقیقت زائل ہو جائیگی سو اس قسم کی چیز حقایق بسیطہ کے حق میں سوائے حقیقت بسیطہ اور
اور کچھ ہرگز نہیں ہوسکتی اسکے بعد اہل فہم خود سمجھ جائیں گے گو امثلہ معروضہ میں مثلاً سولہ کو بجائے خود صفات
مذکورہ لازم یا عارض ہوں مگر مدار زوجیت فقط اوسکی انقسام بتساوین پر ہے علی ہذالقیاس اور مثالونکو خیال
فرمالیجئے ایسے ہی ذات خداوندی کو صفات کاملہ گو بجائے خود لازم ہوں پر مدار خدائی فقط اوسکی غیر مخلوق
ہونے پر ہے اب لازم یوں ہے کہ کچھ اور کہئے سنئے لالہ صاحب یہ تو آپکی جیں ٹپاخ کا جواب تھا اپنی کوئی
جدی بات نہ تھی گو ایسی ایسی باتیں اسمیں بھی کہہ گذرا ہوں کہ آپکے ہوش ہی پران ہو گئے ہونگے اب ایک
جدی بات بھی سنئے جملے خبریہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جسمیں ایک وصف مثلاً کسی چیز کیلئے ثابت کیا
جائے جیسا یوں کہئے لالہ انندلال آریہ ہیں اس جملہ میں انندلال کیلئے آریہ ہونا ثابت کیا گیا ہے اس قسم کے
جملہ کو موجبہ کہتے ہیں دوسرا وہ جسمیں ایک چیز سے کسی وصف کی نفی کیجائے مثلاً یوں کہئے لالہ انندلال مسلمان
نہیں اس قسم کے جملہ کو سالبہ کہتے ہیں مگر اوس ثبوت کیلئے جو موجبہ میں ہوا کرتا ہے بالبداہت بھی اور
باتفاق عقلا بھی وجود مثبت لہ شرط ہے یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ لالہ انندلال حالت عدم میں بھی آریہ ہو جائیں بلکہ
اونکے آریہ ہونے کیلئے اونکا وجود شرط ہے غرض وجود مثبت وجود مثبت لہ پر موقوف ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ
خود ایک شے کا وجود نہیں اور اوس کیلئے کوئی وصف ثابت اور حاصل ہو جائے عالم نہو اور اوسکا علم اوسکو حاصل
ہو قادر نہو اور اسکی قدرت اوسکو حاصل ہو بالبداہت تمام جہاں کے نزدیک یہ بات محال ہے آریہ لوگوں سے
بھی پوچھئے تو وہ بھی یہی کہیں اور کیونکر نہ کہیں اسکی تسلیم میں کچھ بڑی عقل کی ضرورت نہیں ذرا سا فہم کافی ہے
مگر ہاں وجہ اس ضرورت کی شاید کسیکو معلوم نہو سو وہ ہمسے پوچھئے سنئے مفہومات مثبتہ یا یوں کہئے صفات
اور احوال وجودیہ وجود کے ساتھ یا ایسا رابطہ رکھتے ہیں جیسا دو میں اور زوجیت میں یعنی باہم لزوم ذاتی ہے
اور یا ایسا ارتباط رکھتے ہیں جیسا فرض کیجے سطح میں اور خطوط اشکال میں اگر از قسم اول ہوں تو اونکو تو لوازم

ذات وجود سمجھنا چاہیے اور اگر از قسم ثانی ہوں تو اونکو عوارض ور احوال وجود سمجھنا چاہیے مگر ہر جہ باد اباد اگر رابطہ لزوم ذاتی ہے تب ضرورت وجود ہے کیونکہ لازم ذات شے اوس شے سے جدا نہیں ہو سکتا جو لازم ذات وجود ہوگا وہ وجود سے جدا نہ ہو سکیگا اور جدائی ممکن ہوئی تو پھر لزوم ذاتی نہیں اور اگر رابطہ سطح و خط ہے تب وجود سے انفصال کی کوئی صورت نہیں کیونکہ اسوقت میں حاصل ارتباط یہ ہوگا کہ جیسا خط بہ نسبت سطح ایک امر انتزاعی اور اوسکے کسی ٹکڑے کے حق میں ایک حد ہوتا ہے ایسے ہی مفہومات مشبہہ وجود کی نسبت امور انتزاعیہ اور اوسکے کسی ٹکڑے کی حد ہونگے اور ظاہر ہے کہ امر انتزاعی اپنی منشاء انتزاع سے اور حد اپنے محدود سے جدا نہیں ہو سکتا اور ہو تو کیونکر ہو انتزاعیات کا وجود کوئی وجود جداگانہ نہیں ہوتا منشا انتزاع ہی کا وجود ایسی طرح اونکے وجود کا کام دیتا ہے جیسا کشتی کی حرکت جالسان کشتی کی حرکت کا کام دیتی ہے رہی یہ بات کہ انتزاعیات اور منشا انتزاع کسکو کہتے ہیں اسکا جواب ہر چند اسوجہ سے دشوار ہے کہ کہانتک ہندی کی چندی کیجے مگر کیا کیجے ایسے لوگوں سے پالا پڑا ہے کہ یہ نہ کیجے تو پھر کام بھی نہیں چل سکتا یا میں خود اس کتاب کے ساتھ جاؤں اور سمجھاؤں یا ہندی کی چندی کرکے بتلاؤں ناچار یہی کرتا ہوں سُنئے لالہ صاحب آپکی خاطر عزیز ہے انتزاعیات اصل میں مفہومات نسبیہ اور مضامین اضافیہ ہوتے ہیں اور مفہومات نسبیہ اور اضافیہ اونکو کہتے ہیں جنکا ہونا اور سمجھنا دو اور کے ہونے اور سمجھنے پر موقوف ہو یعنی جیسی نسبتہ جملہ مثلاً منسوب اور منسوب الیہ کے وجود کے بعد وجود میں آتی ہے اور اونکے سمجھنے کے بعد سمجھ میں آتی ہے یعنی اوسکا تحقق اور تعقل اپنی دونوں طرفوں کے تحقق اور تعقل پر موقوف ہے ایسے ہی جہاں یہ توقف ہوگا وہ مفہوم اضافی اون سے ہوگا مثلاً خط بدوں دو سطحوں کے متحقق نہین ہو سکتا یعنی جب کسی سطح کو تمام کروگے یا جب کوئی سطح تمام ہوگی تو اوسکی دوسری جانب بھی ایک سطح ضرور ہوگی خواہ سطح ثانی از قسم اول ہو یا کسی اور قسم کی سطح ہو یعنی زمین کا کوئی ٹکڑا لیجے تو دونوں طرف اوس خط کے جو اوس ٹکڑے کی حد ہوگا سطح خاکی ہوگی اور اگر ساری روئے زمین لیجے تو ایک طرف سطح خاکی ایکطرف سطح آبی ہوگی علی ہذا القیاس اوپر تک چلے چلو اور بھی کچھ نہوگا تو ایکطرف سطح فلکی ہوگی مثلاً تو دوسری طرف سطح بعد مجرد یعنی اس فضا کی سطح ہوگی جو ہر جسم کو محیط ہوتا ہے الحاصل خط اپنے تحقق میں اپنی دونوں طرفوں کا محتاج ہے اور جب تحقق میں احتیاج ہے تو تعقل میں کیوں نہوگی کیونکہ تعقل یعنی فہم تو ایک خبر حقیقت ہوتا ہے اسی لئے اون جملوں کو جنمیں کسی حقیقت کا فہم ہوتا ہے خبریہ کہتے ہیں

بالجملہ خبر تو اصل کی مطابق ہوتی ہے اگر اصل میں توقف ہے تو یہاں پہلے ہوگا اور اسی تقریر سے یہ سمجھ میں
آگیا ہوگا کہ ایسے مضامین کو انتزاعی کیوں کہتے ہیں یعنی جب ایسے مضامین ایسی طرح بین بین ہوئے جیسے خط
بین السطحین کہ ادھر دیکھو سطح ادہر دیکھو سطح اور پھر دونوں سطح باہم ایسی طرح متصل کہ کوئی چیز حائل نہیں تو یوں
کہو عقل ہی کھینچ کر ایسے مضامین کو باہر کر لیتی ہے ورنہ بظاہر اونکا کہیں پتا نتھا بالجملہ اگر مفہومات مشبتہ کو وجود کے
ساتھ ایسا رابطہ ہے جیسا خط کو سطح سے یعنی وجود کے حق میں انتزاعی ہیں اور وجود اونکے حق میں منشا انتزاع
تب بھی یہ نہیں ہو سکتا کہ وجود نہوا اور وہ مفہومات متحقق ہوں کیونکہ جب ارتباط ایسا ہے جیسا خط کو سطح سے
تو جیسے خط بدوں سطح کے ممکن الوجود نہیں ایسے ہی وہ مفہومات بھی بے وجود ممکن التحقیق نہونگی ہاں اتنا
فرق ہے کہ لزوم ذاتی کی صورت میں دونوں طرف سے تلازم ضرور ہے چنانچہ واقفان معانی خود
سمجھتے ہیں اور اسصورت میں ایکطرف سے لزوم ہوگا دوسریطرف سے لزوم نہوگا یعنی جیسے خط بے سطح ممکن
نہیں اور سطح بے خط ممکن ہے جیسے سطح کروی یا فرض کیجے کوئی سطح چاروںطرف سے غیر متناہی ہو کیونکہ ایسی سطح
اگر محال بھی ہوگی تو اور وجہ سے ہوگی بوجہ عدم خط محال نہوگی ایسے ہی اون مفہومات کی طرف سے تو لزوم
ہوگا پر وجود کی طرف سے لزوم نہوگا اور ظاہر ہے کہ اتصاف کی کل یہی دو صورتیں ہیں ایک تو لزوم ذاتی
جسکا حاصل یہ ہے کہ وصف یعنی لازم ذات ملزوم سے صادر ہوا ہے اور دوسرا ارتباط بطور خط و سطح جسکا حاصل
یہ ہے کہ وصف موصوف پر خارج سے اگر عارض ہوا ہے یعنی اگر خط مستدیر دائرہ کو وصف عارضی سطح
داخل قرار دیں تو یوں سمجھو یہی خط سطح خارج کے ساتھ قایم تھا اوسکی طرف سے سطح داخل پر عروض ہے اور
اگر وصف عارضی سطح خارج خیال کریں تو یوں سمجھو وہ خط سطح داخل کے ساتھ قائم تھا اوسکی طرف سے سطح
خارج پر عروض ہے الحاصل بہ نسبت موصوف وصف کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ اپنے موصوف سے
خارج ہوا اسکو تو میں لازم ذات کہتا ہوں اگر اور بھی کہیں تو فبہا ورنہ اصطلاح میں کیا حرج ہے یہ ہماری
اصطلاح سہی دوسرے یہ کہ وصف خارج سے آیا ہو سو ایسا وصف حقیقت میں ایک حد بین بین ہوتا ہے جسکا
حاصل وہی انتزاعی اور نسبی اور اضافی ہونا نکل آتا ہے مثلاً نور آفتاب اگر زمین پر عارض ہوتا ہے تو اوسکی
یہی صورت ہے کہ اوسکی شعاعیں زمین سے متصل ہو گئیں اور اونکے اور زمین کے اتصال سے ایک
سطح نورانی پیدا ہو گئی جسکو دھوپ کہتے ہیں سو جیسی حد بین السطحین خط فیما بین ہوتا ہے ایسے ہی حد بین
الجسمین سطح فیما بین ہوتی ہے مگر ہر چہ بادا باد حد ہونا ظاہر ہے اور پھر اوس سطح کو اگر شعاعوں کے ساتھ

قایم سمجھیے تو وہ سطح نورانی ہے اور زمین پر عارض ہے اور زمین کے ساتھ قایم سمجھیے تو وہ سطح ظلمانی ہے اور شعاع نور کی عارض ہے مگر یہ فرق
نوعی نیچے کے مفہومات میں تو نکل سکتا ہے خود وجود کے حصوں میں یہ فرق متصور نہیں یعنی نیچے اگر تو مفہومات متعدد اور انواع
مختلفہ پیدا ہوگئیں ہیں وہاں تو مثل سطح نورانی و سطح ظلمانی باوجود اشتراک سطحیتہ فرق نوعی نکل سکتا ہے پر خود مرتبہ وجود
میں یہ فرق نہیں جو اوسکے حصوں اور ٹکڑوں میں یہ فرق نکالیے کیونکہ وجود سے اوپر کوئی مفہوم وجود سے
عام نہیں جسکے تلے وجود و غیر وجود ایسی طرح داخل ہوں جیسے حیوان کے تلے انسان و اسپ وغیرہ یا
قابل ابعاد ثلثہ کے تلے نور و زمین وغیرہ یعنی بظاہر نور و شعاع بھی قابل ابعاد ثلثہ ہے اور یوں کوئی
اسمیں کچھ تکرار کرے تو ہمارا کیا نقصان مثال میں اتنا کافی ہے کہ ظاہر نظر میں معلوم ہوتا ہو الحاصل وجود
میں یہ فرق متصور نہیں اسلیے مثل سطح داخل و خارج دائرہ فقط حدود ہی کا لحاظ کرنا پڑیگا اور اوس
تفاوت نوعی کی وہاں گنجایش نہوگی جو حدود کے اطراف کیطرف سے پیدا ہوتا تھا ہاں اگر وہ فرق
بھی متصور ہوتا تو اس انتزاع کے ساتھ ایک انضمام کا مضمون بھی پیدا ہوجاتا بہرحال وجود کی نسبت
اوصاف کی یہی دو صورتیں متصور ہیں ایک تو یہ کہ اوصاف اوس سے صادر ہوئے ہوں اور اوسکی لازم
ذات ہوں دوسرے یہ کہ اوسپر واقع ہوئے ہوں یعنی اوسکے حق میں انتزاعی ہوں جب یہ بات سمجھ میں
آگئی تو اور سنیے صفات کاملہ جناب باری تو وجود کی لازم ذات ہیں اور سوا اونکے اور مفہومات وجود
کے حق میں انتزاعی خبر اور مفہومات سے تو چنداں ہمکو بحث نہیں اصل مطلب صفات سے ہے سو اونکے لزوم
ذاتی کی یہ وجہ ہے کہ وجود کا تقدم اور اوصاف اور مفہومات پر تو ایسا آشکارا جیسا ایک کا دو سے مقدم ہونا
اور دو کا تین سے اگر وجود کے برابر کے درجہ میں کوئی مفہوم ہو سکتا تو ہم کہہ سکتے کہ وجود اور صفات باقیہ جناب
باری معلول علتہ ثالثہ ہیں پھر اوسکے ساتھ تحقق صفات خداوندی بے وجود خداوندی بھی متصور نہیں اور
خدا کے وجود سے اونکا انفصال بھی ممکن نہیں اگر ایک طرفی لزوم ہوتا تو ہم اونکو از قسم اوصاف خارجہ
کہدیتے مگر جب دونوں طرف سے تلازم ہے تو وہی صورت ہوگی کہ وجود جو مقدم اور سابق ہی ملزوم ہو
اور صفات باقیہ اوسکی لازم ذات اور قطع نظر وجود کے خود ذات باری کو ملزوم اور صفات مذکورہ کو لازم ذات
کہیے تو اول تو ضرورت وجود جسکی بداہت میں کسیکو کلام نہیں چنانچہ اوپر عرض کر آیا ہوں غلط ہوجائیگی
دوسری اس صورت میں وجود خداوندی اور ہوگا اور ذات خداوندی اور جسکا حاصل یہ ہوگا کہ وجود باری
بھی مثل وجود مخلوقات ایک امر عارضی ہے کوئی امر ذاتی نہیں اور اسلیے اوسکا اتصال اور انفصال یعنی

وجود وعدم خداوندی دونوں ممکن ہیں ہاں یوں کہیئے جیسے آفتاب ایک نور مجسم ہے یا یوں کہو اوسکے جسم کے اندر ایک نور حلول کئے ہوئے ہے مگر جو چاہو سو کہو یہ شعاعیں جو اوس سے خارج ہوتی ہیں اوسی نور سے خارج ہیں جو سرحد کرویۂ آفتاب میں ہے خواہ وہ عین جسم آفتاب ہو یا اوسمیں حلول کئے ہو اور پھر اون شعاعوں سے زمین پر مثلاً دھوپ پیدا ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ وہ بھی ایک نورانی چیز ہے اتنا فرق ہے کہ دھوپ کبھی پیدا ہو جاتی ہے کبھی زائل ہو جاتی ہے اور شعاعیں ہمیشہ آفتاب کے ساتھ رہتی ہیں لیکن جیسے باوجود مزید نورانیت شعاع کو دھوپ نہیں کہہ سکتے حالانکہ دھوپ کو دھوپ نورانیتہی کی وجہ سے کہتے ہیں ایسے ہی نور سرحد کرویۃ کو باوجود فوقیت نورانیت شعاع نہیں کہتے اور اگر شعاع کو دھوپ اور نور سرحد کرویۃ کو شعاع کہدیں تو یوں کہو شعاع اور نور مذکور کی توہین ہوگی ایسے ہی جو بات صفات میں ہے وہ بات ذات باری میں بدرجہ اولیٰ ہے مگر اطلاق الفاظ صفات اوس درجہ پر کریں تو توہین ذات ہے اسلئے اوس مرتبہ کو جو اوس سے صادر ہوا ہے ذات سے ایسی طرح کم سمجھکر جیسی شعاع نور سرحد کرویۃ سے ہوتا ہے جدے اسماء اور القاب اونکو دیئے ہیں وہ القاب اگر مرتبہ ذات پر اطلاق کریں تو اوسکی توہین ہو گو اصل بات میں وہ مرتبہ صادر سے کہیں بڑھا ہوا ہو مگر جب مرتبہ صدور تک نوبت آئی تو پھر وہی ترتب ملحوظ رہیگا جو وجود میں اور صفات باقیہ میں ہے اور اسلئے یہی کہنا پڑیگا کہ وجود صادر اور صفات صادرہ کے حق میں مصدر ہے ورنہ پھر وہ ترتب یعنی تقدم وجود و تاخر صفات کیونکر درست ہوگا القصہ ذات پاک اصل ہستی ہی پر لفظ وجود وہستی اوسکے حق میں ایسی طرح موجب عار ہے جیسے نور سرحد کرویۃ کے حق میں لفظ شعاع اور شعاع کے حق میں لفظ دھوپ حالانکہ نور سرحد کرویۃ اصل شعاع ہے اور شعاع اصل دھوپ علیٰ ہذا القیاس جو نسبت وجود کو ذات کے ساتھ ہی وہی نسبت حیوۃ کو وجود کے ساتھ مثلاً اور علم کو حیوۃ کے ساتھ اور ارادہ کو علم کے ساتھ ہے تفصیل اس اجمال کی سنئے یہ تو بدیہی ہے کہ ارادہ مراد کے ساتھ جب تک متعلق نہیں ہو سکتا جب تک علم اوس مراد کے ساتھ متعلق نہولے اس توقف تعلقی سے یہ بات متحقق ہے کہ ملکہ ارادہ کا تحقق بھی ملکہ علم کے تحقق پر موقوف ہے اور باہم ایسا رابطہ ہے جیسا جسم محدود اور سطح میں اگر ایسا رابطہ نہو تو یوں کہو کہ ملکہ ارادہ اپنے وجود میں ملکہ علم سے ایسی طرح مستقل اور مستغنی ہے جیسے دو جسم متبائن اپنے اپنے

ؔ اور یہ ایسی بات ہے جیسے لاٹ اور لفٹنٹ کو لاٹ اور لفٹنٹ بوجہ حکومت کہتے ہیں اور اس بات میں بادشاہ بہت زیادہ ہوتا ہے مگر بادشاہ کو لاٹ یا لفٹنٹ کہئے تو اوسکی توہین ہے گو لاٹ اور لفٹنٹ کی تعظیم ہو ۱۲ منہ

وجود میں ایک دوسرے سے مستغنی و مستقل ہوتی ہیں لیکن یہ ہوگا تو یہ بھی ضرور ہوگا کہ جیسے دو جسم متباین ہوں
تو یہ ضرور نہیں کہ ایک کا کسی اتصال دوسرے کیلئے اتصال پر موقوف ہو بلکہ عقل ہر ایک کا اتصال بدون دوسرے کے
تجویز کر سکتی ہے ایسے ہی ارادہ بھی اپنے تعلق میں جسکا حاصل وہی اتصال بالمراد ہے علم کے تعلق سے ایسی طرح
مستغنی ہو جیسے علم اپنی تعلق میں ارادہ کے تعلق سے مستغنی ہے کیونکہ جب ملکہ علم و ملکہ ارادہ جو روح کے ساتھ ایسی
نسبت رکھتے ہیں جیسے قوت باصرہ یعنی نور نظر آنکھ کے ساتھ اور نور آفتاب یعنی شعاع خود آفتاب کے ساتھ
اور پھر دونوں میں یہ استغنا اور استقلال ہے جیسا قوۂ باصرہ اور قوت سامعہ میں تو جیسے ان دونوں قوتوں میں
سے ایک دوسرے سے اپنے اپنے تحقق میں مستقل و مستغنی ہیں اور اسلئے تعلق میں بھی استغنا ہے ایسے ہی علم و ارادہ کو
درصورت استقلال وجود علم و وجود ارادہ یہ لازم ہوگا کہ تعلق میں بھی مستغنی ہوں ہاں اگر وجود ارادہ ایسی طرح تابع
وجود علم ہو جیسے وجود سطح تابع وجود جسم ہوتا ہے تو پھر یہ بات درست ہو جائیگی کہ ارادہ تو اپنے تعلق میں تعلق علم کا
محتاج ہو اور علم اپنے تعلق میں ارادہ کے تعلق کا محتاج نہو کیونکہ عقلا باصفا کے نزدیک یہ بات بدیہی ہے کہ جب ایک
طرف سے تحقق میں احتیاج ہوگی تو اوسی طرف سے تعلق میں بھی احتیاج ہوگی یہی وجہ ہے کہ عقل سلیم اتصال سطح بے
اتصال جسم تجویز نہیں کر سکتی اور اتصال جسم بے اتصال سطح تجویز کر سکتی ہے دیکھ لیجے کرہ سطح مستوی سے ملتا ہے
تو فقط ایک نقطہ پر اتصال ہوتا ہے اور مکعب کونے کیطرف سے کسی جسم مستوی السطح سے متصل ہو تو نقطہ پر یا خط
پر التقا ہوتا ہے القصہ یہ توقف یکطرفی جو درباره تعلق علم و ارادہ ہوتا ہے بے اسکے متصور نہیں کہ ارادہ
اپنے وجود میں علم کا تابع ہو باقی یہ بات خود ظاہر ہے کہ علم بے حیوۃ متصور نہیں اور حیوۃ بے وجود متصور نہیں
اور وجود اور ذات کا ارتباط ابھی عرض کر کے آیا ہوں یہ اون صاحبوں کے طور پر عرض کیا گیا جنکے نزدیک
حیوۃ علم سے مقدم ہے اور جنکے نزدیک اصل علم یعنی وہ قوۂ علمیہ جو روح کے حق میں بمنزلہ نور شعاع آفتاب ہے حیوۃ
سے مقدم ہے یا باہم فرق اعتباری ہے اونکے طور پر اوسکے مناسب سمجھنا پڑیگا یعنی فرق تقدم و تاخر کا
سمجھنا مقدم و موخر کی حقیقت کے سمجھنے پر موقوف ہے اور یہ بات بے ذریعہ تعریف مقدم و موخر متصور نہیں سو بعد اطلاع
ناظر فہیم خود سمجھ لیگا یہاں ایسی تفاصیل کی گنجائش نہیں یہاں تو اصل مطلب یہ ہے کہ جو ترتب ذات اور وجود صادر میں ہے
وہی ترتب وجود صادر اور صفات صادرہ میں ہے اور پھر وہی ترتب آگے باہم صفات میں ہے اور خیر صفات میں
یہ ترتب نہ سہی لیکن وجود صادر من الذات اور صفات میں تو یہ ترتب اور توقف ضرور ہے اور پھر اوسکے ساتھ لزوم
ذاتی یعنی انفصال ممکن نہیں ورنہ یہ ممکن ہو کہ خدا میں یہ صفات اول نہوں اور پھر آگئیں ہوں اور علی ہذا القیاس

پھر جدے ہو جائیں اور زائل ہو جائیں کیونکہ جب انفصال ممکن ہوا تو بدوں اسکے متصور نہیں کہ وہ صفات خانہ زاد
اور صادر من الوجود اور معلول وجود اور مقتضائے وجود نہوں ورنہ نہیں تو پھر یہی ہوگا کہ عطائے غیر ہوں جس سے
بنای خدائی ہی برہم ہو جائیگی کیونکہ اسصورت میں احتیاج الی الغیر لازم آئیگی دوسری یہ خرابی اور ہوگی
کہ صفات مذکورہ کو اپنے تحقق میں وجود کی حاجت نہو یہ ممکن ہوگا کہ عالم نہو اور اوسکو علم حاصل ہو کیونکہ جب ذات
وجود کو وہ صفات لازم ہی نہیں تو پھر انفصال من الوجود ممکن ہوگا اور یہ ہو نہیں سکتا کہ کسی دوسرے کے وجود
کو لازم ہوں کیونکہ یہ ہوگا تو پھر وجود بھی اوسیطرح سے مستعار ہوگا یعنی جب وہ صفات اوس دوسرے وجود سے
جدی نہیں ہو سکتیں تو جہاں جائینگے اوسکے وجود کے ساتھ ساتھ جائینگے وہ اگر مستعار ہونگی تو وجود مستعار
ہوگا اور یہ خیال کہ اچھا ایک وجود مستعار بھی سہی پر ایک وجود اصلی بھی ہو جسپر بنائے خدائی ہو او نہیں ہو سکتا جو
ہو سکتا ہے جنکو عقل سے بہرہ نہیں اول تو ایک کا وجود دوسرے وجود کو اپنی سرحد میں گھسنے ہی نہیں دیتا دیکھیے
ہمارا وجود ضعیف ہے اور کیوں نہو زمین کی دھوپ کیطرح عطائے غیر ہے یعنی خداداد ہے نور آفتاب کی
طرح خانہ زاد نہیں اور پھر باینہمہ ہمارا وجود اپنی سرحد میں کسی دوسرے کو آنے نہیں دیتا یعنی جہانتک ہمارا
احاطہ وجود ہے وہ دو ڈھائی گز ہے یا کم و زیادہ وہانتک دوسرے کی گنجایش نہیں جب ہمارے وجود ضعیف
وجود میں یہ قوۃ ہے تو خدا کا وجود تو خانہ زاد قوی ہے وہ کا ہیکو دوسرے وجود کو اپنی سرحد میں قدم
رکھنے دیگا دوسرے مفہوم وجود ایک مفہوم واحد ہے اوسکا مصداق بھی واحد ہونا چاہیے یعنی جیسے مفہوم
انسان ایک مفہوم واحد ہے اور اسوجہ سے جہاں یہ مفہوم صادق آتا ہے وہاں وہی ایک مصداق ہوتا ہے چنانچہ
اسیوجہ سے افراد انسانی ماہیت انسانی میں باہم شریک ہیں اور سب ایک ماہیت کے افراد اور ایک کلی کے تلے
داخل سمجھے جاتے ہیں ایسے ہی درصورت تعدد وجود افراد وجود موجود سب ایک ماہیت میں شریک ہونگے
اور اسوجہ سے جیسے ہر فرد انسانی میں لوازم ماہیت انسانی کا ہونا ضرور ہے ایسے ہی ہر فرد وجود میں اور
ہر فرد موجود میں لوازم ماہیت وجود یکا ہونا ضرور ہوگا سو صفات مذکورہ اگر کہیں بھی لوازم ذات وجود ہونگے
تو سبھی جا لازم ذات وجود ہونگے پھر وجود خانہ زاد ہوگا تو یہ بھی خانہ زاد ہونگے اور وہ مستعار ہوگا تو یہ
بھی مستعار ہونگے غرض خدا کے وجود کو پہلے لازم ہونگے الحاصل بے اسکے چارہ نہیں کہ تمام صفات وجودیہ
لازم ذات وجودی کہیے جیسے تمام احوال وجود کو انتزاعی وجود کہنا چاہیے چنانچہ پہلے عرض کر چکا ہوں باقی
یہ تمیز اپنا کام ہے کہ کسکو صفت کہیے اور کسکو حال اس مقام میں اگر اسکے بیان کی ضرورت ہوتی تو میں ہی عرض

کرتا چلا ہاں اگر کسیکو یہ خیال ہو کہ لازم ذات واحدہ واحد ہی ہوا کرتا ہے اُمور متعددہ نہیں ہو سکتے پھر وجود
سے امر بسیط کی ذات کو جسکے بساطت پر اوسکی رفعت اور تمام مفہومات سے علو اور تقدم شاہد ہے کیونکر اتنی صفات
متعددہ جنکو غیر متناہی کہئے تو بجا ہے لازم ہونگے تو اسکا جواب یہ ہے کہ اگر واحد کو ذات کو واحد ہی لازم ہوا
کرتا ہے اور میں کہتا ہوں یوں ہی ہوتا ہے تو میں پہلے ہی ترتب صفات کیطرف بطور نمونہ خود اشارہ کر آیا ہوں
یہ بات کہ ارادہ علم پر موقوف اور علم حیوۃ پر اور حیوۃ وجود پر اسی غرض سے عرض کی تھی کہ یہ معلوم ہو جائے کہ صفات
سب کی سب بے واسطہ ذات کو لازم نہیں بلکہ ایک کو ایک لازم ہے اور اسوجہ سے سب کی سب ذات کو لازم ہیں اور اگر
یہ بات فرض کرو غلط ہے تو نہ یہ خیال پیدا ہو اور نہ مجھکو جواب کی ضرورت بالجملہ تمام صفات وجودیہ بواسطہ یا
بیواسطہ ذات وجود کو لازم ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ وجود ہو اور ان صفات کا پتا نہو بہت ہو گا تو یہ ہو گا کہ جمادات
و نباتات میں بھی علم و ادراک شعور و ارادہ کا ہونا لازم آئے مگر کوئی پوچھے اسمیں کیا محال اور کیا خرابی ہے
اس دلیل قطعی کے سامنے یہ وہم کیونکر قابل قبول ہو کہ ہمکو آثار علم و حیوۃ و ارادہ و قدرت معلوم نہیں ہوتے
اگر معلوم نہونے سے اوس شے کا انتفا لازم آیا کرے جسکا علم نہیں تو جو جو چیزیں ہمکو معلوم نہیں وہ سب معدوم ہوا
کریں بلکہ جو لوگ سلیم العقل ہیں اور اوہام اور خیالات کے پابند نہیں دلیل مذکور کو سنکر مطمئن ہو گئے ہونگے اور
پھر یہ خطرہ اونکے دل میں آئیگا کہ جمادات و نباتات میں ادراک و شعور ہی نہیں پھر وہ کیونکر خدا کی تسبیح کرتے ہونگے
جو علی العموم قرآن میں یہ فرمادیا وان من شئ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقہون تسبیحہم جسکا یہ مطلب ہے کہ کوئی شی ایسی نہیں جو
خدا کی حمد و تسبیح کرتی ہو مگر تمکو خبر نہیں الحاصل موجود کو تمام صفات وجودیہ لازم ہیں اگر کہیں خانہ زاد ہو گا تو صفات
وجودیہ بھی خانہ زاد ہونگی اور کہیں مستعار ہو گا تو صفات وجودیہ بھی مستعار ہونگی مگر چونکہ قوابل میں باعتبار قابلیت
تفاوت زمین و آسمان ہوتا ہے اور اسوجہ سے وصف مقبول میں بھی اسیقدر فرق پیدا ہوتا جاتا ہے تو بعض مقامات
میں بعض اوصاف وصفات وجودیہ یا تو محسوس ہی نہیں ہوتیں اور یا کم محسوس ہوتی ہیں اور اسلیے یہ شکوک پیدا
ہو جاتے ہیں مگر بہرحال بادا باد وہ مادہ پنڈت صاحب اگر مخلوق خدا نہیں جیسے پنڈت صاحب فرماتے ہیں اور اسی پر
جھگڑا ہے تو اوسکا وجود خانہ زاد ہو گا اور صفات وجودیہ قدیم سے اوسکے وجود کو لازم ہونگی اور تمام صفات
خداوندی کا اجتماع لازم آئیگا اور اُسکو ثانی خدا کہنا پڑیگا اور یہ عذر لا طائل لغو ہو جائیگا کہ فقط غیر مخلوق
ہونے سے کیا ہوتا ہے خدائی کیلیے تمام صفات کی فراہمی ضرور ہے اور اگر مادہ کو بھی مخلوق کہو گے تو موافق
قاعدہ مسلمہ پنڈت صاحب کہ ہر مخلوق اور حادث کیلیے مادہ کی حاجت ہے جسکی بنا پر پنڈت جی کو مادہ کے قائل ہونے

کی ضرورت ہوئی اوس مادہ کیلئے اور مادہ نکالنا پڑیگا اور پھر اسیطرح اوس دوسرے کیلئے یہانتک کہ دور یا تسلسل لازم آیگا اور پنڈت جی کا شیخ چلی کا ساگھر بنا بنایا ڈہ جائیگا اب در حقیقت پنڈت جی کے طور پر خدا نعوذ باللہ بمنزلہ کمہار ہے اور مادہ بمنزلہ گارا اور مخلوقات بمنزلہ برتن مگر یہ ہے تو پھر یوں کہو مخلوقات کو خدا کی اتنی ضرورت نہیں جتنی مادہ کی ضرورت ہے ظاہر ہے کہ برتن کو کمہار کی اگر ضرورت ہے فقط بنتے ہی وقت ہے اور مادہ کی ضرورت ہر دم ہے پھر اگر یوں کہئے جیسے پانی وغیرہ کا جو قطرہ اوپر سے گرتا ہے بمقتضائے طبیعت کروی الشکل ہو کر گرتا ہے ایسے ہی کیا عجب ہے ظہور اشکال مخلوقات مادہ کا ایک امر طبعی ہو پھر کیا ضرورت ہے جو خدا کے قائل ہو جیئے اور اوسکا بار احسان اور تاوان عبادۃ اپنے سر دھر لی تو پھر پنڈت جی کا مادہ ہی مادہ رہیگا خدا کو کون پوچھے گا اور خدا بھی رہا تو موافق گذارش حال خدا میں کیا فوقیت رہی جو وہ تو مالک بن بیٹھے اور مادو باوجود ہمتائی خدا نہوا مادہ رہا غرض جس پہلو سے پلٹئے یہ عقیدہ فاسد ہے سبحان اللہ کیا خدا کی قدر دانی ہے قربان جائیے ایسے گرو اور ایسے چیلوں کے جنکو اسکی بھی خبر نہیں کہ ہم کیا کہتے ہیں اور اسکا انجام کیا نکلے گا۔ کہو لالہ انند لال صاحب اب بھی یہ مصرعہ پڑھو گے یا نہیں ؎ میں الزام انکو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا ✦ لالہ صاحب آپ صاحبوں کی طمطراق اور تین پانچ کی وجہ فقط ثروت ہے یہ سارے پھل پھول اس دولت ناپائدار کے ہیں معیشت ہے بیفکر خواب راحت میں مست جو جی میں آیا کہا سنا یا لکھا چھپوایا جاہلوں نے سمجھا کوئی بڑے ہی ذو فنون ہیں اگر اسطرف آدھی ثروت بھی ہوتی تو انشاء اللہ تماشا دکھلا دیتے مگر اس افلاس کی مجبوری کو کیا کیجیے یہاں تقریباً تین سال گذر جائیں اور کیفیت میلہ چاندا پور بھی جسمیں پنڈت جی بھی رونق افروز تھے نہ چھپنے پائی اور پنڈت جی کیفیت مذکورہ چھوڑ رڑکی میرٹھ وغیرہ مقامات کی تمام واقعات حسب دلخواہ گھڑ گھڑ کر چھپوا دیں خیر یہ تو ہو چکا ہمکو تو عرض نیاز سے مطلب ہے اسلئے یہ گذارش ہے مرحبا آفریں ہزار آفریں یہ آپکا پنتھ اسی قابل تھا کہ آپ اسکو یوں رسوا کریں کیا مزہ کی بات ہے عقیدہ بھی ملا تو یہ ملا اور دلیل بھی ملی تو یہ ملی دیکھو کیا خجالت کی دلیل ہے مگر جہاں عقل سے کام نہ لیا جاوے وہاں اور کیا کیا جائے اصل جواب تو ہو چکا اور عقل ہو تو یہی تقریر اون تمام اعتراضوں کے جواب میں کافی ہے جو لالہ صاحب نے بذریعہ غیر مخلوق ہونے صفات باریتعالی کے وارد کئے اصل میں وہ ایک اعتراض ہے اور حاصل اوسکا یہ ہے کہ اگر فقط غیر مخلوق ہونے سے خدائی لازم آئے تو لازم یوں ہے کہ صفات کاملہ جناب باری بھی خدا ہو جائیں اور چونکہ وہ صفات غیر متناہی اور باہم متبائن ہیں

تو لازم یوں ہے کہ غیر متناہی خدا ہو جائیں مگر لالہ صاحب نے اوراق سیاہ کرنے کیلئے قدرت علم عدل و رحم کو
جدا جدا لیا ہے اور ہر ایک کے غیر مخلوق ہونے کو ذکر کر کے اعتراض مذکور وارد کیا ہے چونکہ اس تقریر میں لالہ
جیسے بھائیوں کی غلط فہمیوں کے اندیشہ سے یہ مرقوم ہے کہ خدا کیلئے یہ ضرور ہے کہ اوسکا وجود کسی اور کے
وجود پر موقوف نہو اور کسی غیر کے سہارے پر نہو جسکا حاصل یہ ہے کہ مدار خدائی استقلال وجود ہے اور
صفات میں یہ بات نہیں تو اب اسکی حاجت نہیں کہ ہم غلط فہمی کا جواب دیں اور اونکی خوبی فہم کو آشکارا
کریں ہمیں اپنے مطلب سے مطلب ہے ۞ وہ دو باتیں اگر سنلیں تو ہم سو گالیاں سہلیں ۞ ہمیں مطلب سے
مطلب ہے وہ جو چاہیں ہمیں کہلیں + مگر ایسوں کا سر چڑھانا بھی اچھا نہیں اسلیئے اونکی فہم کی قلعی کھولنی بھی ضرور
ہے سنیئے لالہ صاحب آپ تو معانی کی مانگ توڑنے کو موجود ہیں غور تو کرو تمہیں تو عبارت فہمی کا سلیقہ
بھی نہیں معترض صاحب اگر فقط یوں لکھتے کہ خدائی کا مدار غیر مخلوق ہونے پر ہے تو تمہاری یہ تالیاں بجانی
کام آتیں شاید کہیں سے پیسا دو پیسا مجاتا معترض صاحب تو یوں فرماتے ہیں کہ خدا کی خدائی کا مدار اوسکی غیر
مخلوق ہونے پر ہے یہ قید فقط اسلیئے لگائی تھی کہ کوئی صفات کو نہ لے اوڑے مگر اونکو معلوم نہ تھا زمانہ
خالی نہیں آپ سے فخر مذہب آریہ بھی میرٹھ میں رونق افروز ہیں مگر جب آپ اسپر بھی نہ سمجھے تو آپ ہمارے اس معما
کو کیا سمجھتے ہونگے اسلیئے بالتفصیل عرض کرنا پڑا سنیئے مگر کان کا میل نکلوا کر سنیئے مفہوم دو قسم کے ہوتے
ہیں ایک مستقل بالمفہومیت دوسری غیر مستقل مستقل بالمفہومیت سے تو یہ غرض ہے کہ اونکے سمجھنے کیلئے دوسرے
مفہوم کے سمجھنے کی ضرورت نہو اور غیر مستقل وہ کہ جسکے سمجھنے کیلئے دوسرے مفہوم کے سمجھنے کی ضرورت ہو
وہ مفہوم کوئی مفہوم مطلق ہو یا مقید ہو مثلاً ضرب کے تصور کیلئے ضارب کا تصور اور مضروب کا تصور ضرور ہے
اگر ضرب مطلق ہو تو مطلق ضارب مضروب کا تصور کافی ہے اور مقید ہو تو ضارب خاص اور مضروب خاص کا

---

۵ بہت دن ہوئے نجم الاخبار کا وہ پرچہ جسمیں سوال متعلق بادہ مندرج تھا راقم کی نظر سے گذرا تھا الفاظ تو اتنے دنوں تک کیا یاد رہتے البتہ مضمون یاد
ہے اوسی بناء پر یہ لکھا گیا کہ معترض نے جیسے یہ لکھا تھا یہ لکھا تھا مگر اوس خلاصہ سوال کو دیکھیے جو صاحب رسالہ آریہ سماج میرٹھ بابت ماہ اساڑہ سمت ۱۹۳۵ میں مرقوم ہوا
ہے تو پھر اس جواب کی ضرورت نہیں معترض نے فقط خدا کا مدار غیر مخلوق ہونے پر رکھا بلکہ خدا کی خدائی کا مدار غیر مخلوق ہونے پر رکھا کیونکہ خلاصہ سوال رسالہ
مذکور میں یہ عبارت موجود ہے کہ خدا اوسی کا نام ہے جو بذات خود قائم اور موجود ہو اور بناء خدائی اوسکی موجود اصلی ہونے اور بذات خود قایم ہونے پر مبنی ہے انتہی
اس عبارت کے دیکھنے والے کو بشرط فہم یہ بات آشکارا ہو جائیگی کہ معترض نے پہلے ہی آریہ سماج میرٹھ کے جواب مذکور کو اوڑا دیا ہے کیونکہ صفات خداوندی کا غیر مخلوق
ہونا تو مسلم مگر باینہمہ صفات خداوندی موجود اصلی اور بذات خود قائم نہیں کہہ سکتے کون نہیں جانتا کہ صفات خداوندی کیلئے کیوں نہوں بذات خود قائم نہیں بلکہ
بلا واسطہ قیام اونکی موصوفات کے ساتھ ہے اور یہی صفات کو اگرچہ قدیم ہوں اور کسی قدیم کے ہوں موجود اصلی نہیں کہہ سکتے کیونکہ موجود اصلی وہی ہوتا ہے جسکا قیام
کسی اور کے ساتھ نہو بلکہ بذات خود قائم ہو غرض معترض نے وہ سارا مضمون جسکے بیان میں ہمکو کئی ورق لکھنے پڑے فقط ایک جملہ میں ادا کر دیا ہے مگر ہاں فہم کی ضرورت
ہے جیسے کہ آریہ سماج میرٹھ والے نہ سمجھے الحاصل خلاصہ سوال جو خود ممبروں کے مجمع کا لکھا ہوا ہے اسپر شاہد ہے کہ جواب آریہ سماج میرٹھ سے اعتراض متعلق مرتفع نہیں ہو سکتا
ہاں اگر مجمع مذکور بلا وجہ خلاصہ اپنی تغلیط کرکے یوں کہیں کہ اصل سوال میں یہ الفاظ ہیں جو مفید مطلب معترض ہیں تو پھر اول تو انشاء اللہ سوال مذکور میں وہ ہوگا جو ہم نے
عرض کیا یعنی مدار خدائی خداوند عالم اوسکی غیر مخلوق ہونے پر ہے نہ یہ کہ فقط خدا کا مدار غیر مخلوق ہونے پر ہے ورنہ اوس سے تغیر میں سوال مذکور پھر لاجواب ہو جائیگا یعنی

تصور درکار ہوگا غرض بقدر خصوصیت ضرب اطراف میں بھی خصوصیت درکار ہے اگر دونوں قسم کی
خصوصیت ضرب میں ملحوظ ہوگی تو دونوں طرف میں تخصیص ضرور ہوگی اور ایک قسم کی خصوصیت
ہوگی تو ایک طرف میں تخصیص لازم ہوگی جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو آگے سنئے صفات سب
قسم کی کیسی کیوں نہوں غیر مستقل بالمفہومیت ہیں اور اسمار جامدہ سب مستقل مگر چونکہ فہم بہ نسبت امور خارجیہ واقعیہ
ایک مخبر ہے منشی نہیں چنانچہ پہلے بھی عرض کر آیا ہوں تو جہاں فہم میں عدم استقلال ہوگا وہاں اصل امر
واقع میں بھی عدم استقلال ہوگا اوسکی نسبت کسی دیوانہ کو بھی یہ وہم نہوگا کہ وہ بذات خود موجود ہے کسی
دوسرے کی احتیاج نہیں اور اسلئے اوسپر اطلاق لفظ خدا نہ کوئی کریگا نہ کسی اور کے کلام میں ایسا اسپر محمول
کریگا کیونکہ یہ لفظ تو آشکارا یہ کہتا ہے کہ اسکا مصداق خود صفحہ ہستی پر رونق افروز ہے کسیکے فیض اور قدرت
سے وجود میں نہیں آیا غرض یہ لفظ ہی مایہ احتراز من الصفات ہے ہاں مگر وہ مفہومات باقی تھے جو مستقل
بالمفہومیت ہیں اور اونکی مصادیق مخلوق ہیں جیسے جمنا داس گنگا داس وغیرہ اسمار اونمیں اور خدا میں
مابہ الافتراق فقط یہی ہے اور سب مخلوق اور خدا غیر مخلوق اسلئے معترض نے یہ کہا تھا کہ خدا کی خدائی کا
مدار اوسکی غیر مخلوق ہونے پر ہے اور اس امر میں مادہ اور مادہ متنازع فیہا جسکی استقلال بالمفہومیت اور
استقلال وجود پر اوسکا تبائن اور غیر مخلوق ہونا شاہد ہے برابر پھر کیا وجہ کہ خدا تو خدا کہلائے اور اوسکے
لئے حقوق خداوندی بجالائے جائیں اور مادہ خدا نہ بنے اور نہ اوسکے لئے وہ حقوق ادا کئے جائیں
اب لالہ صاحب فرمائیے آپکا وہ اعتراض کہاں گیا اور کیسے اولٹی ازار گلے میں آئی یا نہ آئی خیر آپکے اس
اعتراض واہی کا جواب تو ہو چکا مگر آپکے ناز بیجا پر ہم بھی کچھ چھیڑ کرتے چلیں لالہ صاحب آپ فرماتے ہیں کہ آپکا
اور نیز ہر جدید فرقہ کا اسبات پر اتفاق ہے کہ خدا قادر مطلق ہے انتہی سبحان اللہ باسی کڑھی کو بھی اوبال آیا
اہل اسلام کے مقابلہ میں ہندوؤنکو بھی یارائے زبان آوری ہوا لفظ جدید میں اسکی طرف اشارہ ہے کہ آپ
قدیم فرقہ کے لوگوں میں ہیں جنکی گمراہی رفع کرنے کیلئے خدا نے نئے نئے ہادی بھیجے خیر مطلب یہ ہے کہ آپکے
نزدیک خدا قادر مطلق نہیں اور جب قادر مطلق نہیں تو قادر مقید ہوگا اور چونکہ ہر مقید سے اوپر ایک مطلق
کا ہونا ضرور ہے تو آپکے نزدیک خدا سے اوپر کوئی قادر ہوگا جسکی قدرت کاملہ مطلق ہوگی اور جن باتوں پہ
قدرت نہ ہونے کی وجہ سے خدا کے قادر مطلق ہونے سے انکار تھا اون باتوں پر وہ قادر مطلق قادر ہوگا
اور چونکہ منجملہ اون کے خدا کا مارنا اور اوسکی ثانی کا پیدا کرنا بھی ہے تو لازم یوں ہے کہ وہ قادر مطلق خدا

کے مارنے اور اوسکے ثانی کے پیدا کرنے پر بھی قادر ہو بلکہ خود اپنے مارنے اور اپنے ثانی کے پیدا کرنے
پر بھی قادر ہو معراج خدا تعالیٰ کی قدر دانی ہو تو ایسی ہو جیسی آپکے ہاں ہے لالہ صاحب آنکھیں
کھولئے ہوش میں آئے ایسی بھی کیا عقل کھو ہی بیٹھے دیکھو فاعلیت کا کمال اور نقصان ور اور
مفعولیت کا کمال اور نقصان اور ہے یہ فرق تو فاعل و مفعول کے پہچاننے والے بھی سمجھ سکتے ہیں
آفتاب اگر نظر نہ آئے تو ابصار فاعلی یعنی رائی ہونے میں قصور ہے اور آوازیں اور روح وغیرہ اشیا
اگر نظر نہ آئیں تو ابصار مفعولی یعنی مرئی ہونے میں قصور ہے علی ہذا القیاس خدا اور اوسکا نظیر اور
اوسکا عدم اور اوسکی موت اگر ممکن نہیں تو اون کے مقدور ہونے کا قصور ہے خدا کے قادر ہونے
میں کیا نقصان اگر نقصان قدرت خداوندی ہوتا تو یہ امور محال نہ ہوتے ممکن ہوتے سو ان امور
کے باعث خدا کے قادر مطلق ہونے سے انکار کرنا اسبات پر دال ہے کہ آپکو اور آپکے پیشواؤں کو
ہنوز کمال و نقصان فاعل و کمال و نقصان مفعول کی بھی تمیز نہیں اور سنئے آپ فرماتے ہیں کہ قدرت
مخلوق ہوگی تو ذات خدا محل حوادث ٹھیرے گی ہر چند یہ بات صحیح ہے اور خدا کی ذات کا محل حوادث ہونا
ممنوع ہے مگر آپکے مرتبہ فہم کے امتحان کرنے کیلئے ہم بھی کچھ چھیڑ کرتے ہیں ؎ چھیڑ خوباں سے چلی جا اسد
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی ٭ یہ تو فرمائے اسمیں کیا خرابی ہے کہ ذات خداوندی محل حوادث ہو اگر
غیر مخلوق ہونے کے باعث یہ امتناع بھی ہو تو مادہ بھی غیر مخلوق ہے وہ کیوں محل حوادث ہے اور اگر
کسی اور صفت کے باعث یہ امتناع ہے تو وجہ امتناع کیا ہے اور اگر خالق ہونے کی وجہ سے یہ ممانعت
ہے تو اسمیں کیا استحالہ ہے کہ خود خالق اپنی ذات میں کچھ تصرف کرلے اتنی قدرت تو ہمکو بھی حاصل ہے کہ اپنے
ہاتھ سے اپنے وجود کو درست کرلیں یا بگاڑ لیں خدا میں یہ بات کیوں نہوگی علاوہ بریں خالقیت رازقیت
سب اوسکی صفات خاصہ ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں حادث ہیں مادہ کے اثبات پر جو دلیل
دلالت کرتی ہے اوس سے یہ دلیل زیادہ مضبوط ہے پھر کیا وجہ اوسپر تو ایمان ہے اور اوس سے انکار اوسکے
بعد آپ روح اور دوزخ و بہشت اور وہانکے باشندوں کے ابدی ہونے کے خیال پر کچھ اور بے تال و سر گاتے
ہیں حاصل یہ ہے کہ اگر فقط ایک صفت یعنی غیر مخلوق ہونے کے اشتراک سے مادہ کی خدائی لازم آتی ہے
تو لازم یوں ہے کہ دوزخ و جنت و مافیہا اور ارواح بھی خدا ہو جائیں کیونکہ خدا بھی ابدی ہے اور یہ اشیا بھی ابدی ہیں
لالہ صاحب اس اعتراض کو تو آپ گھر بھجوا کر کسی صندوق میں بند کرادیں تو بہتر ہے اگلے زمانہ میں جب آپکی طرح روح چار

گمونٹ میں خوش فہم ہی آباد ہوجائیں گے کام آیگا ان ہاں وہ ہونگے پڑے ہنود کو مضامین علمیہ میں دخل دیتے شرم بھی تو نہیں آتی مہاراج معترض اگر یوں کہتا کہ اگر ایک صفت بھی صفات خداوندی میں سے برائے نام بھی کہیں پائی جائیگی تو خدائی لازم آئیگی تو آپکے یوں بغلیں بجانی ہوتیں معترض نے تو خاصہ خداوندی بتلایا جسکا مطلب یہ ہوا کہ خواص و لوازم ذاتیہ اشیا جہاں پائی جاتی ہیں وہاں اُن اشیار کا ہونا ضرور ہے چونکہ غیر مخلوق ہونا خدا کا اوسکی خصائص ذاتیہ میں سے ہے اور مصادیق مفہومات مستقل بالمفہومیت میں سوا اوسکے اور کسی میں پایا نہیں اسلئے جہاں یہ بات ہوگی یعنی استقلال کے ساتھ غیر مخلوق ہونا ہوگا تو خدائی بھی ہوگی مگر آپکو الٹی سمجھتے کون سکھلائے جب چلتے ہو اولٹے ہو چلتے ہو سوا ارواح کا ابدی ہونا ثابت تو کیا ہوتا آپکے انداز بیان سے یوں مترشح ہے کہ آپ اونکی ابدیت کے معتقد ہیں اگر اوس بنا پر یہ ارشاد ہے تو آپکے ذمہ اونکی ابدیت کا اثبات اول لازم تھا اوسکے بعد لاالہ صاحب بدستا ویز اغوای شیطانی و شفاعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور کچھ بڑبڑاتے ہیں حاصل یہ ہے اگر گورنمنٹ تو قزاقوں چوروں کا انتظام کرے خدا سے یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ کچھ شیطان کا انتظام کرلے دوسرے جب جناب شفاعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نجات نہیں دیسکتا تو خدا محتاج ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محتاج الیہ اسکے جواب میں اول تو یہ شعر عرض ہے ؎ شد بدور چرخ صدہا کس پدید + لیک چون تو مادر گیتی ندید ⁂ یہ ہمارے ہی زمانہ کو افتخار ہے کہ آپسا باریک فہم پیدا ہوا یہ اعتراض اجتک آپ سے پہلے کسیکو نہ سوجھا تھا مہاراج آپنے آدمیوں میں کیوں جنم لیا اول تو پہلی ہی جون میں رہنا تھا نہیں تو کسی اور جون میں آجانا تھا آدمیوں کو کیوں بدنام کیا سنئے آپکے طور پر تو یہ جواب ہے کہ آپکا خدا بھی کیسا عاجز و مجبور ہے کہ بندے گناہ کئے چلے جاتے ہیں اور بغاوت اور نافرمانی نہیں چھوڑتے اور خدا سے کچھ انتظام نہیں ہوسکتا ایسے خدا سے تو گورنمنٹ انگریزی ہی بھلی کہ بزور بازو اپنے نافرمانوں کو مطیع تو کرلے ہے تمہارے خدا سے تو یہ بھی نہیں ہوسکتا علاوہ بریں تمہارے خیال کے موافق خدا بھی نعوذ باللہ کیا برا کاریگر ہے کہ ایک دو اگر اچھا آدمی بنایا تو ہزاروں برے بنائے صناعان یورپ ہی اس سے تو اچھے رہے جو بناتے ہیں قابل تعریف و لایق تحسین بناتے ہیں اور ہمارے طور پر یہ جواب ہے کہ جیسے بنی آدم میں اچھے برے ہیں اوس نوع میں بھی اچھے برے ہیں جنمیں کا ایک شیطان بھی ہے جیسے بنی آدم میں دونوں قسم کے ہیں ہادی بھی مضل بھی اوس نوع میں بھی دونوں قسمیں ہیں منجملہ مضلین ایک شیطان بھی ہے مگر جیسے قابض ارواح یعنی ملک الموت کو ایسا تصرف عطا ہوا ہے کہ سب حیوانات اسکے زیر تصرف ہیں ایسے ہی شیطانونکو اتنی وسعت دی گئی ہے کہ سب آدمیوں پر اوسکا اغوا چل سکتا ہے ان کوئی اوسکی اغوا کو قبول نہ کرے

توخیر بہرحال بنی آدم میں اغوا داونکا ہونا اگر محل گرفت ہے تو شیطان کا ہونا بھی سہی نہیں تو نہیں مگر اگر بنی آدم میں اہل
اغوا کا ہونا محل گرفت ہے تو جواب آپکے ذمہ ہے جو جواب دو وہی ہماری طرف سے سہی لالہ صاحب آپ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ بڑے
بڑے ڈاکٹروں اور طبیبوں نے بڑے بڑے تیز زہر قاتل ایجاد کئے اور یہ ایجاد اونکے حق میں موجب تعریف ہوا کسی کو وہم
نہوا کہ کیا برے ڈاکٹر ہیں کہ زہر ایجاد کرتے ہیں ڈاکٹروں اور طبیبوں کا یہ کام ہے کہ نسخہ شفا اور دوا صحت ایجاد کریں اس سے تو
ہمارے نیم طبیب ہی بھلے وہ ایسا برا کام تو نہیں کرتے غرض جیسے کمال ڈاکٹری یہ ہے کہ زہر بھی ایجاد کر سکے تاکہ نالائقوں کو
اوس سے ہلاک کریں اور سوا اوسکے مثل حفظ اجسام اموات وغیرہ اور کام بھی لیں ایسے ہی کمال خدائی یہ ہے کہ ایجاد مضلین
بھی ہو تاکہ نالائقوں کو اوسکے ذریعہ سے دولت ہدایت سے باز رکھیں اور سوا اسکے مثل تحسین نقشہ مخلوقات اوس سے کام لیں
یعنی جیسے حسن تصویر تاعدی بے اسکے متصور نہیں کہ سیاہی و سفیدی مثلاً اپنے اپنے قرینہ پر مجتمع ہوں ایسے ہی حسن مجموعہ
عالم بے اسکے متصور نہیں کہ بھلے برے اپنے اپنے قرینہ پر موجود ہوں غرض خدا کا احسن الخالقین ہونا بے اسکے متصور نہیں کہ
اچھوں کے ساتھ بروں کو بھی پیدا کرے تاکہ دونوں سے ملکر اسی طرح حسن عالم نمایاں ہو جیسے رخ روشن کے ساتھ زلف سیاہ و ابرو
و مژگان و خال ملکر موجب حسن ہو جاتے ہیں مگر یہ باتیں وہ جانیں جسکو چشم بینا عطا ہوئی ہو اور عقل با صفا ملی ہو باقی رہا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا قصہ اوسکو ذکر کرکے کیوں آپنے اپنی حقیقت کھلوائی کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں کہ
شفاعت کسکو کہتے ہیں لالہ صاحب اگر کوئی حاکم کا پیارا کسی مجرم کیلئے حاکم کی منتیں کرے اور وہ حاکم اسکی منتوں کی وجہ سے درگذرے
کیا اسمیں حاکم کی مجبوری اور اوس پیارے کا زور ثابت ہوگا یا حاکم کا اختیار اور اوس مجرم اور اوس پیارے کا عجز و نیاز اہل عقل کے
نزدیک جسقدر حاکم کا اختیار اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے اوتنا اپنے آپ چھوڑنے میں نہیں ہوتا اگر یوں ہی چھوڑ دے تو پھر بھی
شاید کسیکو احتمال ہو کہ شاید کوئی اور بھی اتنا اختیار رکھتا ہو مگر جب بڑے بڑے مقرب منتیں کرکے چھوڑوائیں
تو یہ احتمال جاتا رہتا ہے سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منت و سماجت و گریہ و زاری کے بعد مجرموں کا چھوٹنا
اسپر شاہد ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی باوجود اس رفعت و شان کے کہ بعد خدا کوئی اور ایسا ہے
ہی نہیں اتنا اختیار نہیں رکھتے کہ خود کسی کو چھوڑ دیں خدا ہی مختار کل ہے علاوہ بریں ہمارے نزدیک
مغفرت شفاعت پر موقوف نہیں یوں بھی ہوگی اور شفاعت سے بھی ہوگی مگر ہاں آپکے طور پر خدا کو
اتنا اختیار نہیں کہ کسی مجرم کو چھوڑ دیں ورنہ آپ کا خیالی عدل کہاں رہے گا لالہ صاحب ایسے
خدا سے تو ہم بندے ہی اچھے ہم کو اپنے حقوق سے درگذرنے کا تو اختیار ہے لالہ صاحب اب
فرمایئے آپ کا خیالی خدا مجبور ہے یا ہمارا وحدہ لاشریک لہ مختار کل جسکو بوجہ مالکیت تو اچھوں کی

تکلیف اور برونکی راحت رسانی کا اختیار ہی پر بوجہ کرم تو اکثر اپنے حقوق سے درگذر کرتا ہے اور بوجہ
عدل اور زندگی حقوق اپنے سر پر نہیں رکھتا بلکہ غیر مستحقو نکو بہت دیدیتا ہے پر یہ نہیں ہوتا کہ طاعت والوں کو
ثواب نہدے یا بے گناہونکو عذاب دے یا گناہ سے زیادہ سزا دے کیونکہ اہل عقل کے نزدیک خدا کے عدل کے یہ معنی ہیں
کہ اپنے حقوق میں تو اپنی طرف سے زیادتی نہو اور اوروں کے فیصلہ میں کسی کی حق تلفی نہو اور ظاہر ہے کہ اپنے حقوق
کا چھوڑ دینا جو واقعی رحم و کرم ہے اسکے مخالف نہیں اگر یہ بات مخالف عدل ہوتی تو بادشاہان عفو کیش
دادرس کو کوئی عادل نہ کہا کرتا غرض اپنے حقوق میں تنگ طلبی ضروریات میں سے نہیں مگر چونکہ کسیکی حق تلفی اسمیں
نہیں ہوتی اسلئے داخل ظلم نہیں البتہ مخالف لطف و کرم و رحم ہے غرض معاملوں کے بھگتانے میں تو صورت عدل
یہ ہے جو معروض ہوئی اور اس سے پہلے وقت اعطار کمالات وہی قابلیت پر نظر خداوندی ہے جسکے تفاوت
کیطرف پہلے اشارہ کر چکا ہوں اس موقع میں خدا کے حق کا تو پتہ ہی نہیں اوروں ہی کے حقوق بقدر استحقاق قابلیت
ہوتے ہیں اسلئے ادسطرف سے کمی کی کوئی صورت نہیں مگر چونکہ قابلیت سے زیادہ کوئی نہیں لے سکتا تو گو ادھر بخل نہو
پر زیادتی کی بھی کوئی صورت نہیں غرض عدل خداوندی وقت اعطار تو یہ ہے اور وقت جزا و سزا وہ جو پہلے
معروض ہوا اسکے سوا ہاں اور کوئی صورت عدل و ظلم نہیں اگر سوا خدا اور بھی کوئی تھوڑا بہت مالک ہوتا تو
ظلم بمعنے تصرف فی ملک غیر متصور ہوتا اور اوسی کے موافق پھر عدل بھی سمجھا جاتا مگر ہرچہ بادا باد عدل یہ ہو یا وہ
مخالف رحمت کوئی نہیں اسکے بعد جو آپنے جناب سید الاولین و الآخرین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سوا آپکے
اور مخلوقات کے تساوی مراتب کے باب میں بوجہ مخلوق ہونے کے کاغذ سیاہ کیا ہے وہ اپنی اسی غلط فہمی کی بنا پر کیا ہے
کہ آپ معترض کے اعتراض کی بنا فقط اشتراک صفت واحدہ پر سمجھ گئے اگر یہ سمجھتے کہ اوسکے اعتراض کی بنا اشتراک
خواص ذاتی اور تشارک علل موجبہ پر ہے تو جواب کیا لکھتے بہت دنوں تک اس مذہب کے اختیار کرنے کی عار میں منہ
نہ دکھاتے افسوس جنکو اتنی بھی تمیز نہو کہ جو مصداق مستقل بالمفہومیت ہو کر مخلوق نہو وہ بذات خود موجود ہوگا
اور اسیکو خدا کہتے ہیں وہ ایسے اعتراضوں کا جواب لکھنے بیٹھیں اور ایسے پھولیں کہ دھوتی میں نہ سمائیں لالہ صاحب
کے دن کی تیلین کے دن کا پلا تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو ایسے اعتراضوں کا جواب تم تو کیا لکھتے تمھارے سارے
دیوتاؤں سے بھی لکھا جائے تو غنیمت ہے ہم نے تو ایسے ہی جواب کے احتمال پر یہ لکھدیا تھا جواب معقول ہو
مگر عقل ہو تو جواب معقول آئے پھر ہم سے توبہ کراتے ہیں ع چہ دلاورست وزدی کہ بکف چراغ دارد ؎
اور سنئے لالہ صاحب کو اتنی تمیز نہیں کہ متناہی کسکو کہتے ہیں اور غیر متناہی کسکو نہایت باریک ہونیکو

وجہ عدم انتہا قرار دیتے ہیں اور لا انتہار تعداد سے انکار فرماتے ہیں کوئی آپ سے پوچھے لفظ نہایت تو
خود انتہار اور نہایت پر دلالت کرتا ہے پھر عدم انتہا کہاں سے آگیا یہ کونسے لغت کی کتاب میں
آپنے دیکھا یا اپنا ایجاد بندہ ہے کتابوں میں تو کیوں ہوتا یہ آپ ہی کا طبعزاد ایجاد ہو تو ہو **شعر**
بعون نازگراں شوخ اجتہاد کند + ہزار نکتہ باریک استزاد کند + آگے لالہ صاحب کچھ ہست نیست ہونے
کی تحقیق میں اپنا جوہر حقیقت اور ہستی دکھلاتے ہیں۔ لالہ صاحب یہ جواب فرماتے ہیں کہ معترض نے یہ
بات کہاں سے اند کی سوامی جیونے تو اس قسم کی بات کہیں بیان نہیں کی اسکا جواب یہ ہے کہ پنڈت
جی کو اتنی دور کی سوجھتی تو وہ بیان کرتے مگر ہاں جن صاحبوں کو مادہ کیطرف میلان ہوا ہے اونکا
مبنی یہی قضیہ مذکورہ ہے سو اسکی مدافعت کے لئے معترض نے اتنا اور بڑھا دیا اور اس قسم کی بندیوں
کو مناظرہ میں دفع دخل مقدر کہتے ہیں مگر آپ کیا جانیں آپ تو اتنا جانتے ہیں کہ اجزار لا تتجزی اور
سوا اونکے اور اشیار قدیمہ نہ ہست ہیں نہ نیست قربان جائے اس تحقیق کے ارتفاع النقیضین کو
محال بتا کرتے تھے آپ کے قلم توسن شیم نے ایک ہی گردش میں ممکن بنا دیا اور ارتفاع النقیضین ممکن ہوا
تو پھر اجتماع النقیضین تو لازم ہی ہے سو ان دو کے محال بالذات کوئی محال تھا ہی نہیں جو تھا وہ انہیں
کے عروض اور تضمن سے تھا غرض استحالہ کا تو باب ہی گم ہوا اگر رہی تو اتنی بات محال رہی کہ لالہ صاحب
محال و ممکن و واجب میں تمیز نہیں کر سکتے **ع** بجلی گری غناں سے میری آسمان پر + جو سانحہ کبھی
نہ ہوا تھا وہ اب ہوا + آپ کی تحریر کی بدولت محال کا تو نام و نشان گم ہوا واجب کو صفحہ ہستی سے
اوڑا دینا تھا ور بے فکر ہو کر وجود سے لیکر عدم تک لوٹ مارنی تھی لالہ صاحب ہوش کی بنوائیے
عقل کو سان پر دھروائیے حکیم بلدیو سہائے صاحب سے دماغ کا علاج کروائیے اور خدا کے لئے ان مباحث
میں ٹانگ اڑا کر اپنی ٹانگ نہ تڑوائیے عدم اور وجود میں بمعنی مشہور کوئی واسطہ نہیں اور علت
کا وجود بہ نسبت معلول قوی ہوتا ہے اور کیوں نہو وجود معلول فیض وجود علت ہوتا ہے اور مثل حرکت
جالساں کشتی کہ وہ عین حرکت کشتی ہوتی ہے وجود معلول عین وجود علت ہوتا ہے پر اوسطرف
سے قوی اسطرف سے ضعیف اور یہ فرق ایسا ہوتا ہے جیسا نور آفتاب میں نمایاں ہے یعنی آفتاب
کیطرف تو شدید ہے اور دوسری طرف ضعیف جوں جوں اوپر کیطرف جاؤ شدت ہوتی
جاتی ہے اور جتنا اسطرف کو آؤ ضعف بڑھتا جاتا ہے بہر حال علت اول موجود ہے اور معلول

اوسکے بعد میں وہ علت فاعلی ہو یا علت مادی پھر مادہ کی ہستی سے انکار کرنا کیونکر درست ہو سکتا
ہے وجود مادہ کی ضرورت معلول کو آپکے طور پر خدا سے بھی زیادہ ہے اسلئے اوسکے وجود کو تو خدا
کے وجود سے پہلے ماننا چاہیئے ورنہ یہ معنی ہوئے کہ جنکو تمنے ہست قرار دیا ہے وہ بھی ہست نہیں
کیونکہ وہ معلول ہیں اور معلول کی ہستی پر تو ہستی علت ہوتی ہے اسصورت میں آپ کو اپنا وجود
تھامنا مشکل پڑجائیگا گھر والے ایسی سنینیں گے تو لینے کے دینے پڑجائیں گے کسیکو کریا کا فکر ہوگا
کسیکو سوگ کا سامان کرنا پڑیگا اوسوقت آپکی دو یعنی لایعنی بھی دھری رہ جائیگی یعنی آپ کا یہ
ارشاد بھی اور چونکہ غیر مخلوق چیز نہ ہست ہے نہ نیست یعنی نہ مخلوق ہے نہ فانی مثل صمد آپکے معنی
چاروں طرف اوڑتا پھریگا اور اگر آپ کے واسطہ داروں کی اس سے تسلی ہوگئی تو پھر ہم بھی آپکے
سر ہونگے گیا معنی آپکی یہ معنی مہمل اگر قبول بھی ہو گئے تو بایں لنظر قبول ہونگے کہ موافق ہر کسی را
اصطلاحی دادہ ایم - آپکی ایک نئی اصطلاح ہے مگر کسیکی نئی اصطلاح کے باعث وہ مضامین
عمدہ جو معنی مشہور ہست و نیست پر مبنی ہیں کیونکر لایق التفات نہ رہیں گے - لالہ صاحب اگر کوئی لایق
اپنی بی بی کو اپنی اصطلاح میں اماں جان کہا کرے تو اور ونکا اما کو اما کہنا غلط نہیں ہو سکتا اگر غلط
ہوگا اور اوسیکا کہنا ہوگا آپ کی اوس تفسیر مہمل پر جو آپنے بہ نسبت ہست و نیست تم فرماکر لوگونکو ہنسایا
ہے مجھکو ایک نقل یاد آئی کسی نے کسی سے پوچھا تھا تم نے گھوڑی بھی دیکھی ہے اوسنے کہا ہاں
صاحب اوسکے ایسے دو سینگ ہوتے ہیں جیسے اونٹنی کے اوسنے کہا بجا آپنے بلاشبہ گھوڑی اور اونٹنی
دونونکو دیکھا ہے سو ایسے ہی لالہ صاحب واقعی آپ ہست و نیست دونونکو جانتے ہیں پھر آپ یہ
فرماتے ہیں ہماری دانست میں معترض صاحب دراصل نیست اور ہست کو نہیں سمجھتے الخ شعر
ذوق الفت کی خبر نے سوز غم سے چشم تر * ناصح نادان پھر دیکھو ہمیں سمجھائے ہے * معترض کا یہ
مطلب تھا کہ یہ تو مسلم کہ ہست نیست نہیں ہو سکتا اور نیست ہست نہیں ہو سکتا اسلئے کہ اتصاف
الضد بالضد الاخر محال ہے مگر اسبات کو اس مطلب سے کیا علاقہ ورنہ شکل چراغ میں کیا فرماؤ گے
وہ بہرحال ذو شکل سے جدی چیز ہے پھر ہست و نیست کا اطلاق اوسپر ہوتا رہتا ہے اگر یہ ہستی و
نیستی از قسم ہستی و نیستی ہے تو حدوث مخلوقات میں بھی یہی سہی اور اگر یہ ہستی و نیستی از قسم ہستی و نیستی نہیں
تو حدوث مخلوقات کے بھی اسیطرح کوئی اور ہی ہے صورت سہی بہرحال اسوجہ سے مادہ ملتبانہ کا قائل ہونا

اپنا قصور فہم ہے ہاں اگر حقائق ممکنات و ماہیات حوادث کو از قسم عوارض و عرض قرار دیجے تو پھر البتہ باینوجہ
کہ ہر عارض کو معروض کی ضرورت بالضرورت ہے اور ہر عرض کو محل کی حاجت بدیہی ہے اسکی تلاش ضرور
ہوگی کہ وہ معروض کیا چیز ہے مگر جس شخص کو اتنا معلوم ہوگا کہ حادث و ممکنات کے یہ معنی ہیں کہ وہ وجود میں آجائیں
تو وہ خود بخود جانیگا کہ وہ معروض کیا ہی وجود ہے غرض کسی حادث کے موجود ہوجانے کے یہ معنی ہیں کہ وہ وجود میں آجائے
اور واجب کے موجود ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وجود اوسکی ذات سے صادر ہوا ہے اور ایسی بات ہے جیسے آنکھوں والے جانتے
ہیں کہ زمین جو آفتاب سے منور ہوتی ہے تو وہ کیا منور ہوتی ہے اوسکی شکل منور ہوتی ہے مگر اوس شکل کے منور
ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ احاطہ نور اور وسعت نور میں آجائے چنانچہ ظاہر ہے اور آفتاب کے منور ہونے کے یہ معنی
ہیں کہ نور اوس سے صادر ہوا ہے غرض مخلوقات کے موجود ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ احاطہ وجود میں آجائیں اور خدا کے
موجود ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وجود اوس سے صادر ہو جیسے اشکال اجسام سوائے نور کسی اور چیز کے احاطہ میں آجانے سے
منور نہیں ہوسکتی ایسے ہی ممکنات بھی سوائے وجود کسی اور چیز کے احاطہ میں آجانے سے موجود نہیں ہوسکتی اور
چونکہ منور ہونیکی یہ کیفیت ہے کہ وہ اشکال جیسے مثلاً زمین آسمان کے ساتھ قائم نہیں ویسی ہی نور کے ساتھ لاحق اور
اوسکو عارض ہوجائیں ایسے ہی خلق مخلوقات کی یہ کیفیت ہے کہ حقائق ممکنہ جیسے علم الہی کے ساتھ قائم نہیں ایسے
ہی وجود خارجی کے ساتھ لاحق اور اوسکو عارض ہوجائیں یعنی احاطہ علمی سے احاطہ وجودی میں آجائیں اور جب احاطہ
وجود میں آگئے تو تمام صفات کا احاطہ لازم ہے کیونکہ جہاں وجود ہے وہاں باقی صفات آپ ہیں چنانچہ ناظران اوراق
پر یہ بات مخفی نہ رہیگی مگر جب یہ ہے تو پھر خدا کا محیط جملہ اشیاء ہونا بھی مسلم اور اوسکی صورت بھی معلوم ہوجائیگی اور اس سے زیادہ
بیان کیجیے اور احاطہ ذاتی کو بھی آشکارا کیجیے تو بوجہ ضرورت مقدمات کثیرہ و دقیقہ طول زائد از ضرورت تو جدا ہوا اور وقت
مضامین زیادہ موجب حیرت اسلئے یہاں تو اسی پر قناعت کرتا ہوں اور طالبان مزید تحقیق کو مکتوب نام منبر اول قاسم
العلوم پر حوالہ کرکے یہ عرض کرتا ہوں کہ ہر چہ باد اباد خلق مخلوقات کی یہ کیفیت ہے کہ علم سے وجود میں آجائیں اور یوں نہو تو
اور کیا ہو ہم اپنے ارادہ سے کچھ چیز بناتے ہیں تو اول اوسکا نقشہ ہمارے ذہن میں آتا ہے خدا تعالی میں جیسے بوجوہ مختار
ہے اور جو کرتا ہے اپنے ارادہ سے کرتا ہے یہ بات کیونکر نہوگی مگر علم حصول صورت فی العقل کا نام ہے وہاں اگر رسائی ہے تو شکل
اور صورت کو ہی ذوشکل کو نہیں اسلئے وجود میں بھی یہی اشکال ہونگی ذوشکل نہوگا ہاں یہ مسلم کہ ایک چیز کسیکی شکل ہو اور
کسیکی ذوشکل مثلاً سطح جسم کے حق میں شکل ہی شکل کرہ مثلاً کیا ہوتی ہے وہ سطح مستدیر ہوتی ہے جو اوسکو محیط ہوتی
ہے لیکن یہی سطح خطوط کے حق میں ذوشکل ہوتی ہیں محیط دائرہ جو ایک خط ہی شکل سطح داخل دائرہ ہوتا ہے بالجملہ

جیسی سطح ذو شکل ہوکر پھر شکل ہے بجمیع الوجوہ ذو شکل نہیں ایسے ہی موجودات خارجیہ حادثہ میں سے اگر
بعض موجودات اپنی اشکال کے حق میں ذو شکل ہوں تو اس سے اونکا منجملہ اشکال ہونا غلط نہیں ہوسکتا وہ اگر
بہ نسبت اشکال لاحقہ خود ذو شکل ہیں تو اور بھی کسیکی نہیں تو وجود کی نسبت تو خواہ مخواہ شکل ہی ہونگی ورنہ اونکے
حدوث کی پھر کوئی صورت نہیں کیونکہ حدوث کے یہ معنی ہیں کہ وہ علم سے وجود میں آجائیں اور یہ بات کہ ایک شے
ایک ہوکر دو چیزونکے ساتھ لاحق ہو بجز شکل یعنی حد فیما بین اور کسیکا کام نہیں محیط دائرہ جیسا سطح داخل کے ساتھ
قائم اور لاحق اور عارض ہے ایسے ہی سطح خارج کے ساتھ بھی قائم اور لاحق اور عارض ہے شکل زمین یعنی اوسکی
سطح قریب الکرویہ جیسے اوسکے ساتھ قایم ہے ایسے ہی اوس نور منبسط کے ساتھ قائم اور اوسکے ساتھ عارض
اور لاحق ہوتی ہے جو آفتاب سے فائض ہوکر فضائی عالم میں دور دور پھیلا ہوا ہے اس صورت میں علم ممکنات
اور وجود ممکنات میں قالب اور مقلوب کا سا اتصال اور ارتباط ہوگا بہر حال حقائق ممکنہ اشکال عارضہ وجود
ہیں وجود بمنزلہ سطح یا جسم معروض ہے اور حقائق بمنزلہ سطوح وخطوط عارض مگر چونکہ ہمارا وجود دائم قائم نہیں
بلکہ ایک زمانہ وہ تھا جو ہم پردہ عدم میں مستور تھے اور پھر ایک زمانہ آنیوالا ہے کہ ہم اوسی پردہ میں مستور ہوجاینگے
تو یہ ہمارا وجود محدود بین العدمین ایسا ہوگا جیسا نور زمین یا یوں کہو نور روز مین الظلمتین یعنے جیسے ہاں ایکطرف
ظلمت شب ماضیہ اور ایکطرف ظلمت شب آیندہ ہے ایسے ہی یہاں بھی دونو طرف دو عدم ہیں ایک عدم سابق
ایک عدم لاحق جیسے وہاں بین الظلمتین آمدو شد نور ہے ایسی ہی یہاں بین العدمین آمدو شد وجود ہے مگر جیسے وہاں
اس آمدو شد نور سے ہر کسیکو یہ یقین ہوجاتا ہے کہ نور زمین خانہ زاد زمین نہیں بلکہ کسیکی عطا اور داد ہے ایسے ہی اس
آمدو شد سے اہل عقل کو یہ یقین ہوجاتا ہے کہ وجود مخلوقات خانہ زاد مخلوقات نہیں کسیکی عطا اور داد ہے سو جیسے
وہاں اسکے بعد یہ یقین ہوجاتا ہے کہ یہ فیض آفتاب ہے جسکا نور اوسکے حق میں ظاہر خانہ زاد ہے یعنی کسی اور منور چیز
سے مستفاد نہیں اور ہے تو جس سے مستفاد ہے اوسکے نور کو یا اوس سے آگے کسی اور کے نور کو اوسکا خانہ زاد کہنا
پڑیگا ایسے ہی یہاں بھی یہ یقین ہوجاتا ہے کہ یہ وجود اوسکا فیض ہے جسکا وجود اوسکے حق میں خانہ زاد ہے سو وہ
کون ہے خدا ہے غرض جیسے بہ نسبت نور زمین بوجہ آمدو شد یہ یقین ہوجاتا ہے کہ ہو نہو کسیکی عطا ہے ایسے ہی بہ نسبت وجود
مخلوقات بوجہ آمدو شد مذکورہ یہ یقین ہوجاتا ہے کہ ہو نہو عطاء غیر ہے اور کیوں نہو جیسے نور ہرچند معروض اشکال
منورہ ہے مگر پھر ایک صفت ہے اور صفت کوئی صفت کیوں نہو اوسکے لئے کوئی مصدر اور مخرج یعنی موصوف
بالذات چاہیے فقط معروض کافی نہیں معروض میں جو کچھ ہوتا ہے وہ عطاء غیر اور فیض غیر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ عطا

غیر اور فیض غیر کیلیے وہ غیر اول چاہیے اسی بنا پر حکما متقدمین و متاخرین اور عقلا اولین و آخرین اس بات کے
قائل ہوئے ہیں کہ ہر وصف بالعرض کیلیے کوئی موصوف بالذات چاہیے اور حکما اور عقلا تو درکنار ادنے عقل والے
بھی اتنی بات سمجھتے ہیں اور کیونکر نہ سمجھیں یہ بات کون نہیں سمجھتا ایسے ہی وجود ہر چند معروض حقائق ممکنہ
ہے مگر پھر ایک صفت ہے اور صفت کوئی کیوں نہو اوسکے لیے کوئی مصدر اور مخرج یعنی موصوف بالذات چاہیے الغرض
بالجملہ جیسے وہ نور جو معروض اشکال منورہ ہے اور بظاہر زمین و غیرہ ذو اشکال اشیا پر عارض معلوم ہوتا ہے اصل میں
کسی منور بالذات کے ساتھ قایم ہے وہ آفتاب ہو جیسے بظاہر معلوم ہوتا ہے یا کوئی اور ایسے ہی وہ وجود جو معروض حقائق ممکنہ
ہے اور بظاہر ممکنات پر عارض معلوم ہوتا ہے اصل میں اوس موجود بالذات کے ساتھ قائم ہے جسکو خدا کہتے ہیں الحاصل معروض
حقائق ممکنہ وہ وجود ہے جو ذات خداوندی سے نسبت رکھتا ہے جیسے نور منبسط مذکور ذات آفتاب سے یعنی جیسے آفتاب اپنے منور
ہونے میں اس نور کا محتاج نہیں بلکہ وہ خود نور مجسم ہے اور یہ نور خود اوس سے صادر ہوا ہے اور اپنی نورانیت کی تحقیق میں اوسکا
محتاج ہے ایسے ہی ذات خداوندی بھی اپنی تحقیق میں اوس وجود منبسط کی محتاج نہیں جو تمام حقائق کو محیط ہے اور جسکا
ذکر چلا آتا ہے بلکہ وہ خود اصل وجود اور بذات خود موجود ہے اور یہ وجود بھی اپنی تحقیق میں اوسکا محتاج ہے اب یہ
گذارش ہے کہ ارباب عقل سلیم تو ان مضامین سے انکار نہیں کر سکتے یہ مضامین خود اونکے دلنشین ہو جاتے ہیں ہاں تیز
طبع کور عقل انکار کریں تو ہم اور کیا کریں وجہ انکار کی ایسے لوگونکو اور تو کچھ میسر نہیں آتی بوجہ نادانی و نارسائی ذہن
فرماتے ہیں تو یہ فرماتے ہیں کہ مخلوقات میں بھلے برے سب ہیں اگر وجود مذکور مادہ عالم ہو تو مخلوقات کی برائی سے
وجود خداوندیکا برا ہونا لازم آئیگا اور اوسکے سبب خدا کو بھلا برا کہنا پڑیگا اور یہ نہیں سمجھتے کہ اگر یہ برائی بوجہ علت
ہے تو خدا کی علت فاعلی ہے تو مادہ علت مادی اس صورت میں وجود مذکور مادہ سہی وہ ایک امر متباین ہوا مگر مادہ کو
بہرحال علت مخلوقات کہنا پڑیگا اور وہی خرابی کی خرابی سر رہیگی اور اگر یہ برائی بوجہ مادیت عارض ہو گی
تو حاصل اعتراض یہ ہوگا کہ ایک منزہ چیز جو برائیوں سے پاک ہے برائی کے مادہ ہونیکی وجہ سے بری ہو جائیگی
خدا کی اور اوسکی صفات کی برائی اگر مسلم نہیں ہو سکتی تو اسیوجہ سے نہیں ہو سکتی کہ وہ اصل میں منزہ اور
مقدس ہے مگر یہ ہے تو اوس آپکے مادہ ہی میں پہلے سے کیا ناپاکی تھی جو اوسکی نسبت یہ جرأت ہے غرض
مادہ مباینہ بھی اصل سے برائی بھلائی سے برتر ہے وہاں بھی وہی بات لازم آتی ہے جو وجود مذکور کے
مادہ ہوتے ہیں لازم آتی تھی اور تحقیقی بات پوچھو تو یہ ہے کہ فعل فاعل سے صادر ہوتا ہے اور مفعول
مطلق فعل سے ظہور میں آتا ہے اور مفعول بہ ہوتا ہے تو اوسپر واقع ہوتا ہے بہرحال فاعل کیطرف سے

تاثیر ہوتی ہے اور نیچے کیطرف تاثر اولٹا ہو تو فاعل مفعول بنجائے اور مفعول فاعل ہوجائے سو قصہ
ہستی میں خدا فاعل ہے اور وجود مذکور ایک فعل یعنی ما بہ الفعل اور مبدا فعل یعنی جیسے نور جو اصل میں مصدر
یعنی ایک فعل ہے اون شعاعونکو کہتے ہیں جو مبدا تنویر اشیا ہوتی ہے علی ہذا القیاس بصر جو اصل میں
ایک مصدر اور ایک فعل ہے اوس نور یا قوۃ کو کہتے ہیں جو مبدا ابصار مبصرات ہوتا ہے اسیطرح علم وفہم
جو اصل میں ایک مصدر ہے اوس قوۃ کو کہتے ہیں جو مبدا انکشاف معلومات ہوتی ہے ایسے ہی وجود
بھی جو اصل میں ایک مصدر ہے اوس جوہر کو کہتے ہیں جو مبدا موجودیت وہستی موجودات ہوتا ہے غرض
ذات خداوندی قصہ ہستی میں فاعل ہے اور وجود مذکور فعل یعنی اثر اور حقائق ممکنہ مفعول مطلق ہیں جو
اصل مفعول ہوتا ہے کیونکہ مفعول بہ محل مفعول مطلق بلکہ آلہ مفعول مطلق ہوتا ہے چنانچہ مفعول بہ
میں جو بار جارہ ہے وہ استعانت کیلئے ہے اور بہ کی ضمیر اوس الف لام المفعول کیطرف رجع ہے جو ذات
مفعول بہ کیطرف مشیر ہے مثلاً آفتاب فاعل ہے اور نور منبسط فعل اور وہ شکل جو اوسکے باطن میں موافق
شکل زمین و غیر منقش ہوجاتی ہے مفعول مطلق اور خود زمین بلکہ وہ شکل جو اوسکی ساتھ قائم ہے مفعول بہ
مگر چونکہ شکل منقش فی باطن النور مطابق شکل زمین بنتی ہے بلکہ اوسیپر بنتی ہے تو خواہ مخواہ اہل عقل کے نزدیک
وہ آلہ مفعول مطلق مذکور ہوگا اسپر اور مفعولونکو قیاس کر لیجے مگر یہی تو مفعول مطلق کی تاثیر فعل مذکور
میں بنجائیگی اور فعل کی تاثیر فاعل میں بنجائیگی خود مفعول مطلق تو دور رہا غرض مخلوقات کی بھلائی
برائی وجود مذکور تک بھی نہیں پہونچ سکتی ذات خداوندی تو درکنار اور موٹی مثال درکار ہو تو لیجے
نور آفتاب پاخانہ پشاب سب پر پڑتا ہے اونکو منور کر دیتا ہے اور آپ اون کے سبب سے ناپاک نہیں ہوتا
علم خداوندی اور علم غیر خدا حسن وقبیح سب پر واقع ہوتا ہے مگر معلومات قبیحہ کے سبب علم
اور عالم قبیح نہیں ہوجاتے نور آفتاب اچھی بری شکلوں پر واقع ہوتا ہے اور اونکو روشن کرتا
ہے اور اونکے قبح کے باعث خود قبیح نہیں ہوجاتا جب نور آفتاب میں یہ بات ہے تو وجود میں کیوں نہ
ہوگی کیونکہ ماورا وجود اور سب وجود سے نیچے کے درجہ میں ہیں کیونکہ وجود سے اوپر اور وجود کی برابر
کوئی چیز نہیں اور ظاہر ہے کہ نیچے کے درجہ کی چیزیں اکثر اگر من وجہ فاعل ہیں تو من وجہ مفعول بھی
ہیں اور اوپر کی چیزوں خاص کر وجود میں جہت فاعلیت ہی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ خدا جمیع الوجوہ
فاعل ہے اور سوائے اعتبار مفہومات انتزاعیہ اور کسی طرح وہ مفعول نہیں یعنی معبود محبوب وغیرہ

اوسکو کہلو مگر سب جانتے ہیں کہ عبادت و محبت میں مثلاً کوئی تاثیر اوسکی ذات میں واقع نہیں ہوتی اور یہاں ایسے
فاعلیت و مفعولیت کا ذکر ہے جسمیں فاعل کا اثر مفعول پر واقع ہو اب یہ گذارش ہے کہ مادہ عالم پر مانو ہونے
حدوث مخلوقات کو یوں تعبیر کیا کرتے کہ فلانی چیز پرمانو میں آگئی اور یوں نہ کہا کرتے کہ وجود میں آگئی بلکہ
خود پرمانو اگر فرض کروہوں تو وجود میں اگر مادہ اجسام بنتے ہیں غرض وہ اگر مادہ ہیں تو مادہ اولی نہیں ملا دہ اولی کے
وجود ہے یہی وجہ ہے کہ محققان اہل اسلام اوسکو ہیولیٰ اولی کہتے ہیں جن ظاہر پرستونکو عقل رسا عنایت
نہیں ہوئی وہ اوس تک نہیں پہونچتے اور اشارات محاورات طبعی کو نہیں سمجھتے یہ نہیں سمجھتے کہ یہ علم طبعی
جو ہر کیکی طبیعت میں مرکوز ہے کہ حدوث مخلوقات یہ ہے کہ وجود میں آجائیں چنانچہ اسی قسم کے الفاظ سے
اس مضمونکو تعبیر کرتے ہیں درحقیقت ایکامر الہامی ہے چنانچہ بعد تنقیح احقر اہل عقل خود سمجھ گئے ہونگے
گو ہمارے لالہ صاحب اب بھی وہی مرغی کی ایک ٹانگ کہیں گے اور کیونکر نہ کہیں گے ابتلک جو کہی ہے چشم بد دور
ایسی ہی کہی ہے دیکھئے یہ بھی بے سری آپ ہی الاپتے ہیں کہ یہ بات معترض صاحب کی کہ جو ہست ہے
وہ ہی قدیم ہے بالکل غلط ہے ؎ یہ اوسیکے لب و دنداں نے دکھایا ورنہ ✤ لعل سے سلک گہر نکلے نہ دیکھا
ہوگا ✤ لالہ صاحب یہ مضمون تو دیکھا نہ سنا تھا آپ ہی نے سنایا اور سوا آپکے اور کوئی سنائی تو کیونکر سنائی
آپ عربی میں طاق فارسی میں پاس سنسکرت آپ کی خانہ زاد انگریزی آپکی لونڈی کی جنی پھر آپ سے
کوئی مضمون چھوٹے تو کیونکر چھوٹے معترض بیچارہ ابھی اسی خیال میں تھا کہ ہست و نیست میں تناقض ہے
ان دونونکا اجتماع محال ہے اسلئے ہست پر نیست عارض ہو تو کیونکر ہو مگر اوسکو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ سب
باتیں پرانی ہوگئیں علوم قدیمہ ردی ہوگئے اب وہ دوربینیں ایجاد ہوئی ہیں کہ محالات سے باریک
باتیں جو اورونکے ذہنوں میں نہ آتی تھیں آشکارا نظر آنے لگیں پھر جنکو دوربین کی بھی ضرورت نہو
بلکہ اونکا ذہن خود ایک دوربین غلط ہو جیسے ہمارے لالہ صاحب اونکے تو کیا کہنے اسوقت بجز اس مصرعہ کے
اور کیا عرض کروں ✤ پالا پڑا ہے ہمکو خدا کس بلا کے ساتھ ✤ آگے لالہ صاحب اپنے اسی خیال محال کی
بنا پر اپنی بے تکی فرماتے فرماتے کیا فرماتے ہیں جبتک کہ پرمانو کو قدیم نہ مانا جائیگا تبتک پیدائش دنیا بھی ممکن نہیں
ہوسکتی نہ کوئی ثابت کرسکتا ہے نہ کرسکا اور نہ کرسکیگا کیونکہ جو غیر ممکن ہے وہ کبھی ممکن نہیں ہوسکتا اس ارشاد میں اور تو جو
کچھ تھا سو تھا پر ایک بات میں لالہ صاحب بہت اچھے میرے نزدیک ہے آپکو مستثنی کرلینا تھا آخر آپنے ایک محال کو ابھی
ممکن بنایا اونکا حال خدا جانے ہاں کوئی اتنا بھی تو نہیں جو آپکو سمجھا کے ہمارے آپ کیوں تکلیف فرماتے ہیں شبدیز قلم

کو کیوں تھکاتے ہیں آپکے ان مضامین عالیہ کو کون سمجھیگا ابتک لوگ اسی خیال میں ہیں کہ وجود اور مصدر وجود
یعنی ذات باریتعالی اور مقتضیات وجود یعنی کمالات باریتعالی کا قدم تو ضروری ہے کیونکہ بنا بر ضرورت قدم اسبات
پر ہے کہ عروض عدم نہو سکے سو ایسی چیز جسپر عروض عدم نہو سکے سوائے وجود اور مصدر وجود اور صادرات من الوجود
اور کونسی چیز ہو سکتی ہے وجود کا حال تو خود ظاہر ہے کہ وہ نقیض اور ضد عدم ہے ایک کا عروض دوسرے پر ہو تو
اجتماع النقیضین اور اجتماع الضدین لازم آئے باقی رہا مصدر وجود اور صادر من الوجود اسکی وجہ یہ ہے کہ مصدر اور
صادر میں تفاوت شدت وضعف ہوتا ہے اور اسیوجہ سے القاب و اسماء جدا جدا ہوجاتے ہیں ورنہ اصل حقیقت
میں اشتراک اور اتحاد ہوتا ہے چنانچہ پہلے اسکی طرف اشارہ کر آیا ہوں ان تینوں کے سوا جو چیز صفحہ ہستی
پر آئیگی اوسکے یہ معنی ہونگے کہ عین وجود تو نہیں پر وجود اوسپر بایں وجہ وجود پر عارض ہے کیونکہ دو مفہوم متباین
میں جو اتصاف ہوتا ہے تو بوجہ عروض باہمی ہوا کرتا ہے اوسکے لیے سوائے عروض اور کوئی صورت نہیں مثلا زمین
اور نور اور آب اور حرارت انمیں جو اتصاف ہوتا ہے تو بوجہ عروض ہوتا ہے زمین پر نور عارض ہوتا ہے تو
اتصاف زمین بالنور حاصل ہوتا ہے اور آب پر حرارت عارض ہوتی ہے تو اتصاف آب بالحرارت حاصل ہوتا
ہے بوجہ تباین باہمی یوں نہیں کہہ سکتے کہ ایک دوسرے سے صادر ہوئے ہیں ایک دوسرے پر عارض نہیں کیونکہ یہ ہو تو پھر حقیقت
میں تباین نرہے وجہ اسکی وہی ہے کہ صادر و مصدر میں فقط فرق شدت و ضعف ہوتا ہے اصل میں شریک ہوتی ہیں
بلکہ ایک دوسرے میں مندرج اور مندمج ہوتے ہیں مرتبہ ظہور میں یہ فرق مصدر و صادر پیدا ہوتا ہے یوں سمجھ
میں نہ آئے تو چراغ کو کسی ظرف میں رکھکر دیکھ لو وہ تمام شعاعیں جو دور دور پھیلی ہوئی تھیں کاوٹ معلوم
کے باعث لوٹ کر شعلہ چراغ میں سما جاتے ہیں اور اگر فرض کرو کوئی ایسی چیز ہاتھ آئی جو بمنزلہ قالب شعلہ چراغ پر مطابق
آجائے پھر فرض کرو شعلہ چراغ گل بھی نہو تو سب جانتے ہیں کہ شعاعیں بالکل شعلہ چراغ میں محو و متلاشی ہو کر سما
جائینگی اس تمثیل سے صاف نمایاں ہے کہ یہ فرق شعلہ و شعاع مرتبہ ظہور و صدور میں ہے ورنہ اصل میں وہی شعلہ چراغ ہے اور
کچھ نہیں الحاصل سوائے حقائق ثلثہ مذکورہ جو قبل مرتبہ صدور وہ سب ایک تھیں اور جو کچھ صفحہ ہستی پر نمایاں ہوتا ہے وہ
بوجہ عروض نمایاں ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ عروض بین الامور المنفصلہ ہوتا ہے اور جہاں پہلے انفصال
تھا وہاں بعد میں بھی انفصال ممکن ہے یہی وجہ ہے کہ زمین سے نور علاحدہ ہو سکتا ہے آب سے حرارت علاحدہ ہو سکتی
ہے پر جہاں اول سے اتصال ہوتا ہے یا اتحاد ہوتا ہے وہاں انفصال محال ہے یہی وجہ ہے کہ نور شعاع اور نور شعلہ شعاع
اور شعلہ سے منفصل نہیں ہو سکتا علی ہذا القیاس شعلہ اور شعاع میں انفصال محال ہے اب یہ گذارش ہے کہ خدا کے

تباین مادہ جناب کے قابل انکار ہی نہیں اسصورت میں یا تو وہ دوسرا خدا یا اوس سے صادر ہوگا اسصورت میں توحید تو
گاؤخورد ہوتی ہے اور معترض کا کمنا راست ہوتا ہے کہ پنڈت جی کی توحید بدتر از بت پرستی بت پرستان و تثلیث نصاریٰ
ہے اور یا یوں کہئے خدا تو نہیں پر معروض وجود صادر یا اوسپر عارض ہے اسصورت میں قدم کی کوئی صورت نہیں
بن پڑتی بلکہ یہ لازم ہے کہ اول انفصال ہو اور وجود سے اول انفصال ہوگا تو وہی عدم ہوگا اور جب اول میں
انفصال نکلا تو بعد اتصال ہی انفصال ممکن ہوگا غرض عدم سابق تو ضروری ہے اور عدم لاحق ممکن ہاں وجود کو
کو مادہ اور ہیولیٰ عالم کہئے تو کچھ خرابی نہیں آتی بلکہ ساری خرابیاں مندفع ہو جاتی ہیں چنانچہ بقدر ضرورت
عرض کر آیا ہوں اب فرمائے کہ ناز بیجا کون کرتا ہے پھر ہم عرض کرتے ہیں کہ آپ قیامت سے ورے تو اس اعتراض
کا جواب کیا دینگے قیامت سے پرے بھی آپسے اعتراض معروض کا جواب نہیں آسکتا اور مسلمانوں نے
آپکے پنڈت جی کے اس سوال کا جواب کہ خدا نے دنیا کو کاہے سے پیدا کیا جسکو آپکے پنڈت جی کو تو ناز
تھا ہی آپکو اون سے سن سنا کر ناز کی سوجھی چاندا پور میں ایسا دیا تھا کہ منشی کنہا پرشاد سنے جو وہ بھی
مثل منشی پیارے لال بانی میلہ سمجھے جاتے تھے بے اختیار یہ کہا کہ جواب تو یہ ہوا ہے اور اب بھی ہمنے بقدر
ضرورت عرض کر دیا گو آپ اب بھی بکمال حیا موافق مثل مشہور دروغ گو یم بر روئے تو مثل جواب چاندا پور اس
جواب کی نسبت بھی کہیں اور جا کر انکار فرما دیں مگر موافق مشہور دروغی را اجزا باشد در دروغے ۔ اسکے
جواب میں ہم بجز اسکے اور کیا کہیں کہ بولنا تو در کنار مولوی محمد قاسم صاحب کی تقریر سنتے ہی پنڈت جی ایسے
پتا توڑ بھاگے کہ ڈھونڈتے ہی رہ گئے مگر کہیں پتا نہ لگا باقی اتنی بات تو آپ کو بھی معلوم ہو گئی کہ جہاں
مولوی محمد قاسم صاحب پہونچے اور پنڈت جی سے بغلیں جھانکنی شروع کی یوں پنڈت جی اور آپ
باتیں بنائے جاؤ سے کیسی گلی رقیب کی کیا طعن اقربا ۔ تیرا ہی جی بچا ہے تو باتیں ہزار ہیں ۔ لالہ صاحب
شرائط بیہودہ کی آڑ میں مونہہ چھپانا چھپا نہیں رہتا آپ کہانتک چھپائینگے سمجھنے والے اوسیوقت
سمجھ گئے تھے کہ پنڈت جی خوبصورتی سے انکار کرتے ہیں لالہ صاحب آپ پنڈت جی کے چیلے ہیں
اون سے کہکر یاد رکھو تو کیا کرو جب گرو ہی شیر ہے تو جھوٹی بھی ماننی پڑے گی مگر سننے والے دیکھنے والوں
کی آنکھوں نہیں ناک نہیں وہ ادا کرتے ہیں آپ ہی میں کمال دیکھا کہ چاندا پور شاید خواب میں بھی نہ دیکھا ہو
اور ہم وہاں اول سے آخر تک موجود رہے پھر آپ اپنی کہیں اور ہماری نہ سنیں لالہ صاحب آپ پنڈت
جی کی باتوں پر بچا ہیں وہ اگر ایسی نکما اعتراض کریں تو آپ ہی سوئی چہیاں اونکے ادم میں کہو نکرایا کریں وہ ایک جہاندیدہ کہنہ سال

ہیں چاندا پور سے پہلے کبھی مولوی محمد قاسم صاحب سے اونکو پالا نہ پڑا تھا اسلیئے وہاں نہ دس آدمیونکی قید
تھی نہ مجمع عام سے انکار نہ فساد کا اندیشہ تھا نہ غل کا کھٹکا نہ تحریر کی ضرورت تھی نہ گوشہ تنہائی کی حاجت تھی یہاں
کے مجمع عام کی رسوائی دیکھکر یہ سوجھی کہ یوں سر بازار کیوں فضیحت ہو جیسے گوشہ تنہائی اور دس آدمی ہونگے
تو جتنے اونکے کہنے والے ہونگے اتنے ہی میرے مجمع عام ہوگا تو حقیقت الحال چھپی رہیگی پھر جب لفظ لفظ لکھا
جائیگا تو اونکی طلاقت لسانی اور میری کوتہ بیانی برابر ہو جائیگی آئندہ اہل اسلام سے بوجہ تہیدستی یہ امید ہی
نہیں کہ روئداد مباحثہ کو چھاپیں ورنہ چاندا پور کی کیفیت وررو ڑکی کا واقعہ ہی کیوں آجتک یوں پڑا رہتا
مثل واقعہ میلہ چاندا پور ہم جو چاہیں گے چھپوا دینگے اور خوار ہونگے جب سرخ رو ہو جائیں گے اسلیئے کہیں فساد کھٹکا
زبان پر آتا تھا کہیں شہرت غلط کا اندیشہ بیان ہوتا تھا غرض ایک بہانہ ہو تو کہوں مگر آفریں ہے اونکے چیلوں
کی خوش فہمی پر کہ اسپر بھی تہ کی بات نہیں سمجھتے کسیکو یہ بھی ہوش نہ آیا کہ سرکاری عملداری اور انتظام
سرکاری ایسا نہیں کہ کوئی فساد کر سکے فرمانروا لاہور اور بادشاہ لکھنؤ اور راجای بڑودہ اور کابل
تو سرکار سے موںہہ ملا ہی نہ سکیں فساد کرینگے تو کون مولوی محمد قاسم صاحب جو مطبعونکی مزدوریاں کر کر اپنا
پیٹ پالیں علاوہ بریں اگر فساد ہوتا تو اول تو مولوی محمد قاسم اور اونکے ہوا خواہ گرفتار ہوتے پنڈت
جی کو اتنا ہی کافی تھا کہ ہمتو پہلے ہی کہیں تھے اور ہندؤں پر اطمینان اور مسلمانوں سے بدگمانی جو موںہہ چڑھے
ہندؤنکی بدولت سرکار کے دلمیں نشین ہے کام آتی۔ علاوہ بریں آنرا کہ حساب پاک است از محاسبہ چہ باک۔
اگر مباحثہ کی جی میں تھی تو کیوں ڈرتے تھے آجتک سیکڑوں مباحثہ ہوئے کہیں فساد نہوا فساد ہوتا تو چاندا پور
میں ہوتا جہانکی بات کی حکام کو خبر بھی ہوتی تو بدیر ہوتی یہاں مجمع حکام عمدہ انتظام دو کوتوالیاں کنسٹبل
بکثرت رسالہ پلٹن رجبن لال کرتی موجود اسپر بھی پنڈت جی کو خوف ہو تو اسکے یہ معنی ہوئے کہ پنڈت جی سرکار کو کچھ
سمجھتے ہی نہیں معہذا فساد کا وقت وہ تھا کہ پنڈت جی مجمع عام میں جی کھولکر مسلمانوں پر اعتراض کرتے تھے
وقت وعظ اگر کسی کی تردید کیجے تو یہ معنی ہوئے کہ معترض قطعاً دوسرے کی بات کو برا کہتا ہے اور وقت مناظرہ اعتراض
ہو تو طلب تحقیق پر محمول ہوتا ہے چنانچہ لفظ مناظرہ خود شاہد ہے مگر وقت وعظ تو مجمع عام میں اعتراض
ہوں اور دس کی قید ہو نہیں کی پر مناظرہ کا نام آیا تو یہ شرط ہونے لگی کہ دس سے زیادہ آدمی نہوں
سچ پوچھو تو یہ سب بہانے تھے اور اصل جان چرانی تھی پھر لفظ لفظ کی تحریر مباحثہ زبانی میں اسکو
ہٹ دھرمی نہیں کہتے تو اور کیا کہتے ہیں پنڈت جی کی جو بات دیکھی نرالی ہی دیکھی اس سے زیادہ

اور کسطرح اعلان ہوسکتا ہے کہ مجمع عام میں ایک بات ظاہر ہوجائے تحریروں سے فقط اگر شہرت
ہوا کرتی تو کتابی باتیں سب عام خاص کو معلوم ہوا کرتیں ہاں جو باتیں مجمعوں میں ہوئی ہیں اگر پرانی ہیں
جب آجتک نئی ہیں رستم اور حاتم اور سکندر اور مجنوں کے افسانے آجتک زبان زد خاص و عام ہیں مگر
جہاں بولنے میں بھی اوتنی دیر لگتی ہو جتنی لکھنے میں وہ طلیق اللسان لوگوں سے برابر پڑیں تو بے تحریر کیونکر رہیں
الحاصل اصل وجہ یہ ہے یوں پردہ داری کیلئے جتنی باتیں بناؤ بجا ہے اگر اسپر بھی یقین نہو تو آپ پنڈت جی سے
کہدیکھئے ہزار منتیں کروگے تب بھی مباحثہ کیطرح مباحثہ پر مولوی محمد قاسم صاحب کے مقابلہ میں آمادہ ہوجائیں تو ہم
جھوٹے تم سچے لالہ صاحب اگر آپ ان فریبوں سے آگاہ ہوتے تو پنڈت جی کے نام کا کتا بھی نہ پالتے مگر
تمہاری قسمت اونکے نصیب اور کسیکے کہے سے کیا ہوتا ہے لالہ صاحب اگر واقعات مطبوعہ ہی پر مدار تصدیق ہے
تب تو خیر ورنہ کوئی تین سال سے کچھ کم و بیش ہوئے ہونگے کہ واقعی حال چاندا پور کا ہمارے احباب کے پاس موجود ہے علی ہذا
القیاس رڑکی میں جو کچھ اعتراض قبل رونق افروزی جناب مولوی محمد قاسم صاحب مجمع عام میں پنڈت
جی نے کئے تھے اور اونکے جواب بعد فرار پنڈت صاحب و انقطاع امید مباحثہ جو مولوی صاحب ممدوح نے مجمع
میں سنائی تھی وہ سب لکھے لکھائے مدت سے رکھے ہوئے ہیں یہاں تو بوجہ تہیدستی نہ چھپے نہ چھپنے کی امید
اگر آپ چھاپ دیں تو نفع نقصان سب آپکا رہا بلکہ ایک رسالہ میں اگر آپ اپنی واہیات اور ایک میں ہمارے خیالات
چھاپ دیا کریں تو آپکے اس رسالہ ماہوار کا جواب بھی ہمارے سر رہا اسصورت میں آپکی اس رسالہ کی خریداری
بھی بڑھ جائیگی اور نفع بھی قرار واقعی ہوگا خیر یہ تو ہولی لالہ صاحب کے رسالہ کی باتیں کیجئے ہیں تو لالہ صاحب
یہ فرماتے ہیں کہ مادہ کی تعریف نہ بتلائی جسکا مطلب موافق المعنی فی بطن الشاعر ہے کہ مصداق کیا ہے اور آپ
تصریحات وید کی نسبت جن سے بطلان قدم مادہ آشکارا تھا وہ آل بتال گاتے ہیں کہ کیا کہئے کوئی لالہ صاحب سے اتنا
کہنے والا بھی نہیں کہ موافق قواعد مناظرہ ہمارے ذمہ تعیین مادہ کب تھی معترض کا کام ابطال مطلب مدعی ہوتا ہے
بیان اصل حقیقت نہیں ہوتا ہاں آپکے عقیدہ قدم مادہ کے تو بہ کی ہوتی اور ہمسے استفسار محل حوادث فرماتے
تو ایک بات بھی تھی البتہ معتقدان وید کی ذمہ اگر وہ مادہ قدیمہ کے ہمیشے قائل ہوں تو یہ بات ضرور ہے کہ تصریحات
مذکور کا جواب دیں مگر یہ عجب چال ہے کہ اعتراض کے جواب کا تو پتہ نہیں اور معترض سے استفسار اصل حال ہے یہ بات بعد
سکوت مدعی اعتراف غلطی دعوی ہیا ہے لاؤ بھی اور استفادہ بھی اسکے کیا معنی خیر جتنے تو بے ضرورت بھی بتلا دیا
اور آپکے ضرورت پڑا لم تول ہی بتلائی اور جواب کے نام ایک حرف بھی نہ لکھا اگر لکھتے تو کیا لکھتے کچھ لکھ سکتے ہوں تو

تو لکھیں یہ تو سستا نسخہ ہے کہ جس امر کا جواب بن نہ آئے اوسکو اوڑھا یا ٹال دیا کہیں الفاظ پر گرفت کی کہیں پنڈت
چتر بھوج کو دو چار سنائیں کہیں کہا تو کیا کہ منتر کی شمار اور ادہیا کی تعیین کرتے تو ہم جانتے کہ پرمان ٹھیک دیا ہے
اب آپ کہئے کہ یہ ٹلانا ہے یا کیا ہے قرآن کے مضامین پر اعتراض کریں تو سورہ کا پتا نہ رکوع کی شمار اور ادھر اعتراض
ہو تو یار شاد حالانکہ بقدر ضرورت ہمنے پتا بھی بتلا دیا مگر آپ واقف ہی نہوں تو کوئی کیا کرے مگر وعدہ جواب پھر بھی
نہیں فقط زبان کے ٹھیک ہونیکی نسبت دلیں معترف ہو جانیکا ذکر ہے سچ تو یہ ہے کہ یہاں جان پر آ بنی ہے کہ تین پانچ کے
بھی گنجایش نہیں واقعی گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے سنئے لالہ صاحب جسکو کچھ وید سے مناسبت ہوتی ہے تو وہ عرض
مضامین ہی سے سمجھ جاتا ہے کہ یہ بات فلانے مقام میں ہے دیکھو ہم تمہارے کہتے ہی سمجھ گئے کہ قرآنکی فلانی فلانی
آیات میں یہ مضامین ہیں ٹالیں کہئے آپکو بروے وید حقیقت عقیدہ باطلہ کھل گئی اور یہ شرم ہاو نارنے کی باتیں ہیں
کہ ہمنے لفظ غلط لکھیں ہیں رک کو رکہ لکھ دیا اور انسرد کو انتیرمال دل تو آپ ہی ہیں آپکے پنڈت جی بھی سنسکرت
میں ایسے ماہر نہیں کہ الفاظ صحیحہ کو غلط سے پہچان سکیں اگر آپکو یقین نہو تو گریفت[لہ] صاحب وغیرہ زبان دانان سنسکرت
کی شہادت اخبار تحفۂ کشمیر میں ملاحظہ کرلیں ہاں پنڈت چتر بھوج جنکو بروے مذہب ہم پنڈت دیانند کے ہم وزن
سمجھتے ہیں ہاں وانی ہیں پنڈت دیانند سے فائق ہوں تو عجب نہیں انکی باتیں ٹکے وزن ترجموں سے ملتی رہتی ہیں
جنکے مترجم قدیم زمانہ کے بڑے بڑے بانی ان پنڈت تھے اور اگر یوں کہئے کہ ایسے ایسے الفاظ کی تحقیق کیلئے کچھ بہت بانی
دانی کی ضرورت نہیں اول تو تلفظ اسماء میں بہت کچھ تفاوت ہو جاتا ہے مگر فہم مطالب میں مضر نہیں ہوتا انگریز لب
کو دیکھو یوسف کو جوزف داؤد کو ڈیوڈ ہند کو انڈیا روپیہ کو روپی ہندوستانی فسر کو لمبر لارڈ کو لاٹ گورنمنٹ
کو گورمنٹ کہتے ہیں اور کوئی اسکو مخل عیوب نہیں سمجھتا بلکہ موافق غلط العام فصیح اسکو فصیح سمجھتے ہیں ورنہ ہما
ہمنے غلط ہی کہا جب آپ مطلب سمجھ گئے تو پھر جواب سے جان چرانے کے کیا معنی علاوہ بریں ہمپر تو یہ طعن کہ بسم اللہ غلط
اور اپنی خبر نہیں ہم اگر الفاظ سنسکرت میں غلطی کھائیں تو عجب نہیں نہ یہ زبان مروج نہ کچھ اسکے سیکھنے کی ضرورت مگر
آپ کہ ہندوستان میں جنم لیا اردو میں ات دن بات کلام پھر اوسپر اون الفاظ مشہورہ کی اصل کی خبر نہیں جو
زبان زد اطفال ہیں۔ شروع کو شروعات اناث کو اناس معدوم کو محدوم لال کو لعل لکھتے ہیں اور کلمہ انکو منکبر
کہتے ہیں تشبیل کو خجالت کیطرف مضاف کرتے ہیں جس سے بجائے لال لعل لکھنے سے تو یہ ظاہر ہے کہ آپ اپنے نام کی

لہ گریفت صاحب اول بنارس کالج کے پرنسپل تھے اور اب سررشتہ تعلیم کے ڈائرکٹر ہیں مقام قیام بریلی ہے سنسکرت میں اتنی مہارت ہے کہ بنارس
کے برہمن اونکے بدن کو تبرکاً ہاتھ لگایا کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ تم کوئی دیوتا یا اوتار ہو ۱۲

حقیقت سے بھی آگاہ نہیں شعر ذوق رندان بادہ نوش کو زاہد نچھیڑ تو + غیر کی تجکو کیا پڑی اپنی نبیڑ تو + لالہ صاحب
سنئے معترض نے جو کچھ لکھا ہے سوط اللہ الجبار کا لکھا ہے کسی پنڈت سے پوچھ کر نہیں لکھا جو آپ یہ فرماتے ہیں کہ
کسی بیوقوف پنڈت سے اگر آپ کسی کو بیوقوف کہتے ہیں ہمارے نزدیک سبھی پنڈت ایک سے ہیں باقی رہا سوط
اللہ الجبار کا ماخذ مصنف سوط اللہ نے جو کچھ لکھا ہے وہ اون ترجموں کے ذریعہ سے لکھا ہے جو قدیم زمانے میں بڑے
بڑے پنڈتوں نے کئے تھے اونکی لیاقت کو آپ ور آپکے گرو تو کیا آجکل کے بڑے بڑے فاضل بھی زبان سنسکرت کے
نہیں پہونچتے اونکو اگر آپکے زمانہ کے منوسپل پولیس کے قانون کی خبر رویدکا شغلہ ہوگئی ہو اور اوس میں ترجمہ کر نیکا
اتفاق ہوا ہو اور اسلئے کچھ کا کچھ لکھا گیا ہو تو کیا بعید ہے سچ یوں ہے کہ نہ آپ بید وغیرہ سے واقف نہ اونکے متعلق امور کے
آپکو خبر جواب نہیں آتا تو یوں ہی من چھوڑ آئے ہو ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کاتب کی غلطی سے کچھ کا کچھ لکھا گیا ہو مگر آپ کیسے آپ
نے اُردو کی ٹانگ توڑی اور منشی اور مصنف بن بیٹھے اور پھر وہ الفاظ اور محاورات نامعقول بولے کہ زبان دانان
اُردو تو ہنستے ہنستے لوٹ جائیں تو دور نہیں ہمیں بھی کیا سہو کاتب ہی سمجھنا سچ یوں ہے کہ آپکے مناسب شان تو یہ مصرعہ ہے
خود غلط مطلب غلط انشا غلط املا غلط + اسکے بعد آپ پھر اپنے خواب پریشان میں بڑبڑاتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ طریقہ
نجات اپنے مذہب یا دیگر مذاہب میں ہے یا نہیں اسکے سچ جھوٹ کی کیفیت چاندا پور کے مباحثہ سے بخوبی ثابت ہوتی
ہے دیکھئے مکتی کو سوامی جی نے کیسے عمدہ طریقہ سے بیان کیا ہے انتہی لالہ صاحب بھی کہاں کہاں چھلانگیں مارتے ہیں
کوئی آپ سے پوچھے کہ کس مناسبت پر واہیات گذشتہ میں اور ناگفتہ بہ پیوند لگایا لالہ صاحب نے بھنگ کھائی ہے ہوش میں آئیے کہیں
آپکے نتھنے اوڑیں تو کیسی سونگھیں آپکے اور پنڈت جی کے جھوٹ سچ کی کیفیت چاندا پور جانے والوں کو معلوم ہو تو ہو افسوس وہیں کیفیت
کے نہ چھپنے نے جواہل اسلام نے مرتب کی تھی یہ نوبت پہونچائی جو آپ اپنے موں نہ میاں مٹھو بن بیٹھے لالہ صاحب ہمکو آپ
تو تو میں میں سے کام نتھا مگر بقول شخصیکہ دروغ گو را تا بدروازہ باید رسانید ہمنے تو آپ کی لبیں لی اور مولوی محمد قاسم
صاحب نے پنڈت جی کو میرٹھ سے بھگا کر کہیں کا کہیں پہونچایا غرض جس جا آپ چلتے ہیں ہم بھی ساتھ
ہی پیچھے پیچھے چلے آتے ہیں ؎ ہم وہ نہیں کہ تم ہو کہیں اور کہیں ہم نہیں + ہیں ہوں تمہارا سایہ جہاں تم وہیں ہوں ہمیں +
یہانتک تو آپ اپنے اعتراض معترض کے متعلق کچھ اوبلتے جاتے تھے اسکے بعد آپ میدان مناظرہ سے بھاگ
ہوس تو ہیں قرآن میں خاک پھانکتے ہیں اول تو کسی اوٹ کے پتھر کے دو قطعے لکھے جنکے دیکھنے سے یوں معلوم ہوتا
ہے کہ ہاں اسکے کہنے والیکو چھوتا تو کہاں نصیب البتہ شاعران فارسی کا فضلہ میسر آیا ہے یہی وجہ ہے کہ مصنف
نے جنگلی قے چاٹ کر لالہ صاحب کی زبان بھی تیزیوں پر آئی ہے مثل مرضیان اپلاوس کبھی کبھی کا کھایا اوگل دیا

ناظران اوراق کو معلوم ہوگا کہ ہمنے ابتک وید کو برا کہا ہے نہ پیشوایان دین ہنود کو برا کہا ہے اور برا کہیں تو کیوں
کہیں یہ کام وہ کیا کرتے ہیں جنکو جواب نہ آئے پر لالہ صاحب یوں سمجھکر کہ اہل اسلام سے پالا پڑا اگر متصور
ہے تو یوں متصور ہے کہ اونکے قرآن اور پیشوایان دین وایمان کو برا کہیے وہ غیظ وغضب میں آجائنگے
اور ہم بہ بہانہ اندیشہ فساد مفت چھوٹ جائیں گے یہ طرز اختیار کی اور پہلے ہی بار وہ موہنہ آئے کہ جو ایسے
دہن کہیے تو بجا ہے خیر ہمسے اور تو کچھ ہو نہیں سکتا پیشوایونکو برا کہیے تو اونکا کیا قصور اور پھر یہ بھی
خیال کہ شاید اپنے زمانہ کے بزرگ ہوں اور جو کچھ حرکات ناشایستہ اونکی طرف منسوب ہیں عجب نہیں غلطی
تاریخ ہو اور اونکے ویدوں کو برا کہیے تو کیا ضرورت اور پھر یہ احتمال کہ شاید کوئی مضمون الہامی ہو
اور شرک وغیرہ امور باطلہ کی تعلیم جو اوس میں درج ہے کیا عجب ہے از قسم تحریف ہو ہاں ایک حکایت
اور چند اشعار عرض کرتا ہوں ایک چیتے بنا بر الاتفاق سے عطر فروشوں کے بازار سے گذرا کچے چمڑے
کی بو کا خوگردہ تھا خوشبو کا متحمل نہو سکا غش کھا کر گرپڑا اوروں نے گرمی وغیرہ کے احتمال پر لخلخہ سونگھانا
شروع کیا مگر وہاں بجاے افاقہ موافق مصرعہ ۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی ۔ اور غش پر غش آنے لگے
اوسکے بھائی کو اس افسانہ کی خبر ہوئی اوس علاج مخالف کو سنکر گھبرایا اور تھوڑا سا بلی کا گہہ ہاتھ میں دبا کر
دوڑا اور پاس آکر یہ کہا کہ سب صاحب علاحدہ ہوجائیں وہ ادھر ادھر ہوئے اس نے وہ بلی کا گہہ اوسکی ناک پر رکھا
بوے مطبوع پہونچتے ہی مریض کو ہوش اور بھائی کی جان میں جان آگئی غرض جیسے اوس دماغ کو عطر سے غش
اور بلی کے گوہ سے ہوش آئے اوس سے تکلیف اس سے راحت ہوئی ایسے ہی گندہ طبعوں اور کج عقلوں کو قرآن
شریف اور اوسکے مضامین سے نفرت اور کدورت اور اون مضامین باطلہ سے جو بلی کے گہہ سے بھی بدتر
ہیں رغبت اور فرحت ہوتی ہے قرآن شریف میں بھی شاید اسی کی طرف اشارہ ہے جو یہ ارشاد فرمایا یضل به
کثیرا ویہدی به کثیرا ۔ اب کچھ اشعار بھی سنیے **مثنوی** عقل صورت پرست قوم ہنود ۔ چوں شد از دود شرک
کور و کبود ۔ الہی چند محو نادانی ۔ بیخبر از جمال پنہانی ۔ بہ نشینند از رہ طغیان ۔ کعبہ از سنگ خارہ و قرآن ۔
پارہ پارہ است ایں چہ آئیں ست ۔ ایں چنیں طعن شاں بریں دین ست ۔ باچناں عقل تیرہ ساز جہاں
عزم اطفاء نور حق در جاں ۔ عقل کجباز و تیرہ باز بدل ۔ ہوس آنکہ حق شود باطل ۔ آنچناں عزم وآنچنیں
ساماں ۔ تف بریں دعوی و دلیل شاں ۔ گل بود بہر بلبل بے تاب ۔ خار در چشم زاغ خانہ خراب ۔
شب پرا زآفتاب چہ کار ۔ چہ شمیم عطر کرمک گہہ خوار ۔ کرم بول و براز نادانی ۔ کے رسد تا بلطف قرآنی ۔

عقل پاکیزہ گریبانی خرد حسن سیپارہ بازخود بنگرد تا نشد چاک چاک دامن گل نشگفتہ چو گل دل بلبل

بنگہتش دلکش زمانہ نبود خندہ و ناز دلبرانہ نبود نگہت و ناز و حسن پنہانش ہمہ سر زو ز چاک دامانش

کعبہ را سنگ خانہ میدانی صاحب خانہ را نمیدانی کعبہ ای زخدای خود غافل جلوہ گاہ خداے ما است چو دل

دل بود گوشت پارہ در سینہ پارہ آہن اصل آئینہ لقمہ بیش نیست مضغہ دل آئینہ تیرہ ہمچو روئے خجل

لیک دل است یک نہانخانہ آئینہ راست خفیہ کاشانہ ہمچنیں کعبہ پیش اہل نظر بہر نور خدا است خوش منظر

ذرہ دیک جہاں بدامانی شبنم و دریا ابر نیسانی سایہ و آفتاب در آغوش قطرہ و ہمچو بحر جوش و خروش

اسکے بعد یہ گذارش ہے کہ ہوس مناظرہ بھی تو بحث سے بھاگنا نہ تھا ایک بات کہیں طے ہو لیتی تو آگے چلتے قواعد دانان مناظرہ کے نزدیک ایک بحث کو چھوڑ کر دوسری بحث میں جانا ایسا ہے جیسا میدان جنگ سے بھاگ کر دوسرے میدان میں چلے جانا مگر جیسے بھاگنے والوں کا تعاقب ضروری ہے ایسے ہی ہمکو بھی آپکا پیچھا لینا واجب ہے اسلئے اول تو حسب حال یہ گذارش ہے۔ چلے ہو نکلکر بغل سے کہاں تم نکلنے تو دو دل کے ارمان ہمارے

پھر یہ عرض ہے کہ ہدایت المسلمین والا اور اوسکی تے چاٹنے والے فصاحت و بلاغت کو جانتے تو زبان کو مونہہ سے باہر نہ نکالتے دلی میرٹھ لاہور امرتسر کی چماروں سے بوٹ خریدنے کے وقت گٹ پٹ کرلینے سے فضیلت کی پگڑی نہیں بندہ جاتی لالہ صاحب فصاحت و بلاغت کی تمیز سوائے اہل اسلام خداوند عالم نے اور کسیکو عنایت نہیں کی مطول سے مطول کتاب اسی علم کی شرح و بسط میں ہے حالانکہ اوسمیں بھی اس بحر ناپیدا کنار کا ایک قطرہ ہی ہے ہند و ایران و توران یا انگلستان و جرمن و فرانس میں بھی کہیں اس قسم کی کتاب ہے اردو فارسی کی تو آپ بھی ٹانگ توڑنے کو موجود ہیں بتلائیے تو سہی ان دو زبانوں کے اندر اس قسم کی کتاب کونسی ہے متاخرین نے اگر کچھ لکھا ہے تو عربی ہی کی کتابوں کی خوشہ چینی کی ہے اسپر ہدایت المسلین والے نے جو یہ بدزبانی کی تو کہئے نادانی ہے کہ نہیں اور خیر اوسنے تو شرم کو اوتار غیرت کو بغل میں مار مونہہ میں جو آیا سو کہدیا لالہ صاحب تم نے اور امرت سر والوں نے اس باب میں قلم اوٹھایا تو کس حوصلہ پر اوٹھایا تم بیچارہ کیا جانو فصاحت و بلاغت کس کو کہتے ہیں اردو لکھنے کی تمیز نہیں اور قرآن کی فصاحت و بلاغت میں گفتگو۔ رہیں جھونپڑوں میں اور خواب دیکھیں محلوں کی مگر ہاں اندھوں میں کانے راجا دھوتی پرشاد ہیں آپ بھی عالم بے بدل ہیں فصاحت و بلاغت کی تعریف کی تو کیا کی کہیں بیاری لگنے کا نام فصاحت و بلاغت ہے کہیں مضمون بندی کی طرف اشارہ ہے سبحان اللہ کیا کہنے مونہہ تو دیکھو لکھے یاقوت رقم سبحان اللہ

کوئی آپ سے پوچھے مضمون کسکا نام ہے اگر مافی الضمیر کو مضمون کہتے ہیں تو کودن سا کودن بھی اظہار مافی الضمیر پر قادر ہے اگر یہ ہے تو ایسے لوگ بھی فصیح و بلیغ ہونے چاہئیں مگر ایسوں کو آپ کے سوا اور آپ کے ہم مشربوں کے کون فصیح و بلیغ کہدے گا اور اگر کوئی خاص مضمون مرکوز خاطر ہے تو اوس کا کیا پتا اور کیا نشان ہے اور اگر عمدہ مضمون مراد ہے تو اول تو عمدگی کی بھی کوئی حد نہیں دوسرے بوجہ اختلاف مذاق ہر کسیکو جدی قسم کا مضمون بھاتا ہے اور پیارے لگنے پر مدار کار ہے اور سکرٹری صاحب کا یہ قول ہے کہ اپنی ہی زبان پیاری لگتی ہے تو یوں کہو آپ کے نزدیک اور نیز ایسے ہی ناواقفوں کے نزدیک زبان سنسکرت بھی غیر فصیح ہے افسوس بحث کے لیے تیار اور اصل بحث سے آگاہ نہیں۔ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں۔ صاحبو فصاحت اور چیز ہے اور بلاغت اور چیز ہے اور ان اوصاف کو کسی زبان سے اختصاص نہیں ان دونوں وصفوں کی تعریف اور تعیین اور اجمال اور تفصیل کے لئے ایک دفتر طولانی چاہئے کیونکہ یہ بحث طویل الذیل ان اوراق کو اوس سے کیا نسبت مگر دو باتیں مناسب مقام سمجھکر عرض کرتا ہوں الفاظ لباس معانی ہیں اور لباس کا حال معلوم ہے کہ سبھی قسم کا ہوتا ہے موزوں و مطابق اور غیر موزوں و غیر مطابق پھر اوسپر لباس میں فرق قسم جدا ہوتا ہے اور فرق بالائی جدا یعنی کوئی انگرکہ مثلاً تنزیب کا ہے کوئی نین سکھ کا یہ فرق تو فرق ذاتی ہے اور فرق قسم اور ادہر کسی انگرکہ پر بیل بوٹا سنجاف وغیرہ ہوتا ہے کسی پر نہیں ہوتا یہ فرق بالائی ہے اسکے بعد یہہ گذارش ہے کہ بلاغت حسن انطباق کا نام ہے اور فصاحت حسن ذاتی کو کہتے ہیں اور حسن بالائے کمالات بدیعی میں داخل ہے جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو ناظران خوش فہم کو یہ بات خود معلوم ہو گئی ہو گی کہ مضمون بندی یعنی ایجاد مضمون اور چیز ہے اور فصاحت و بلاغت اور چیز ہے غرض کلام فصیح و بلیغ نہ فقط مضامین کا نام ہے نہ خاص مضامین عمدہ کو کہتے ہیں علے ہذا القیاس کلام فصیح و بلیغ نہ فقط الفاظ کا نام ہے بلکہ انطباق مذکور پر اول نظر ہوگی ورنہ الفاظ لباس معانی نہ رہیں گے اگر انطباق تام ہے تو بلاغت بھی بدرجہ کمال ہے پھر اوسکے بعد حسن الفاظ بھی ہے اور وہ بھی اول درجہ میں تو فصاحت بھی کمال کے درجہ کو ہو گی مگر چونکہ انطباق ایک نسبت باہمی ہے اور نسبت بہ نسبت اطراف نسبت خفی ہوتی ہے تو علم انطباق بہ نسبت علم معانی و علم الفاظ خفی ہو گا پھر اگر معانی بھی خفی ہیں تو انطباق اور بھی خفی ہو گا اور اسوجہ سے جیسے بسا اوقات اتحاد معانی کا وہم ہو گا ایسے ہی ادف

الفاظ کا بھی گمان ہوگا ایک موٹی مثال عرض کرتا ہے حسن و جمال کی حقیقت اور عشق و محبت کی ماہیت اسیوجہ سے
اکثر ایک سمجھی جاتی ہے علی ہذا القیاس الفاظ مذکورہ بھی اسیوجہ سے اکثر کم فہموں کے نزدیک مترادف ہیں مگر حقیقت
شناسان معانی نہ حسن و جمال کو ایک سمجھتے ہیں نہ ان دونوں لفظوں کو مترادف قرار دیتے ہیں اور نہ
عشق و محبت کو وہ ایک خیال کرتے ہیں اور نہ ان دونوں لفظوں کو مترادف سمجھتے ہیں جمال کو ایک صفت
قائم بالجمیل قرار دیتے ہیں چنانچہ مادہ جیم میم لام جس سے ایک لفظ جملہ بھی مشتق ہے اسبات کا رہبر ہے مطلب یہ ہے کہ جمال
وہ صفت ہے جو تمام اعضاء متناسبہ کے ایسی طرح ملنے سے پیدا ہو کہ علاوہ اون نسبتوں کے جو باعتبار مقدار آپسمیں ہونی
چاہئیں وہ نسبتیں بھی ہاتھ سے نجائیں جو بحیثیت اوضاع باہمی مطلوب ہیں یعنی جو مقام جس کے مناسب ہے اوس مقام
میں رہے تبدل مقامات نہونے پائے اور حسن اوس صفت مفعولی کا نام ہے جو ادراک کی اطلاع اور ادراک سے صاحب
جمال کو حاصل ہوتی ہے حاصل کلام یہ ہے کہ حسن اور وں کو اچھے معلوم ہونے کا نام ہے چنانچہ محاورات عربیہ مثل
استحسن و حسن عندہ وغیرہ اسپر شاہد ہیں مگر یہ ہے تو پھر حسن و جمال ایک ہو سکتے ہیں اور نہ لفظ حسن و جمال مترادف
بلکہ حسن و جمال پر متفرع ہوگا اور اگر ادراک مدرک میں اعوجاج اور طبیعت مدرک سلیم نہیں تو پھر یہی ہو سکتا ہے کہ
جمال ہو اور حسن نہو اور حسن ہو اور جمال نہو علی ہذا القیاس محبت اوس کیفیت کا نام ہے جو بعد استحسان اشیا کسیکے دل
میں جم جائے اور چونکہ تمام افعال اختیاریہ بعد خواہش صادر ہوتے ہیں اسلیئے جس سے ارادہ متعلق ہو اوسکو مراد کہتے ہیں
اور خواہش و رغبت محبت سے پیدا ہوتی ہے تو وہ کیفیت محبت تمام حرکات و سکنات و احوال و انقلابات کیلیئے بمنزلۂ تخم
تخم ہوگی جسکو عربی میں حبہ کہتے ہیں غرض حبہ اور محبت کا تقارب مادی اسپر شاہد ہے کہ محبت فقط اوس کیفیت مشارالیہا
کا نام ہے اور عشق اوس نتیجۂ محبت کو کہتے ہیں جو بوجہ ناکامی پیش آتا ہے چنانچہ عشق جو ایک چیز از قسم نبات ہے اور اپنے
گرد و پیش کی اشیا کو لپٹ جاتی ہے اور سکھا دیتی ہے اسیوجہ سے فارسی اردو والے اوسکو عشق پیچاں کہتے ہیں اوسکا
عشق سے تقارب مادی اسپر دال ہے کہ باہم کچھ تشارک ہے سو وہ تشارک یہی ہے کہ وہ کیفیت مذکورہ تمام روح
کو اور جسم کو محیط ہو جاتی ہے تو اوسکو مضمحل اور اوسکو زرد اور لاغر کر دیتی ہے القصہ مشتی نمونہ خرواری یہ
الفاظ کثیر الاستعمال مگر پھر بھی شاذ و نادر کوئی ماہر و فہیم ہوگا جو ان فرقوں سے آشنا ہو بلکہ بلا تکلف ایک کو دوسرے
کے مقام میں استعمال کرتے ہیں حالانکہ محبت کو عشق لازم تک بھی نہیں چہ جائیکہ اتحاد حقیقت ہو ہاں عشق کو
محبت کا ہونا ضرور ہے اہل فہم کے نزدیک ایسے لوگ ہرگز فصیح و بلیغ نہیں ہو سکتے ہاں جیسے ٹاٹ سے گاڑھا
کہیں بہتر ہے گو وہ خوبی نہو جو لٹھہ نین سکھ نزیب میں ہوتی ہے ایسے ہی اون لوگوں کی عبارتیں جو اپنے زمانہ

ہیں فصیح وبلیغ کہلاتے ہیں اور ونکی عبارت بے بہتر ہو مگر جیسے خوش آوازونکی آواز کی خوبی ایک امر طبعی و خلقی
ہوتا ہے کمال علمی نہیں ہوتا ایسے ہی بے علم انطباق خوبی عبارت کمالات علمی میں معدود نہیں ہوسکتی بلکہ جیسے
ادائے مضمون و اظہار مافی الضمیر کے وقت خوش آواز آدمیونکی آواز کی خوبی بے اختیار ظاہر ہوتی ہے ایسے ہی
خوش بیان لوگوں یعنی اون صاحبوں کے مونہہ سے جنکو تصنیف عبارت میں ایسا ملکہ ہو جیسا خوش آوازونکو گانے میں
ایسی طرح عمدہ عبارت مونہہ سے نکلجاتی ہے جیسے خوش آوازونکے مونہہ سے صوت خوش الحان مگر جیسے اوس خوش
آواز کا گانا جو علم موسیقی سے ناواقف ہو گو خوش معلوم ہو مگر واقفان علم موسیقی کو پسند نہیں آتا ایسے ہی خوش بیان
آدمی کا بیان جو علم انطباق سے بے بہرہ ہو گو خوش معلوم ہو مگر واقفان رموز انطباق مذکور کو پسند نہیں آسکتا
سو اکثر بلکہ تمام شاعران مشاق اور ناثران طاق اسی قسم کے ہوئے ہیں اور اگر کسیکو دو چار الفاظ و معانی میں وہ
تمیز فی الجملہ حاصل بھی ہوئی تو کیا ہوا خود مواقع تمیز کا انطباق تام و عدم انطباق معلوم نہیں ہوتا اور موقع
تو درکنار یہ علم بوجہ اتم اوسکو میسر آئے جسکو اول احاطہ جملہ معلومات ہو دوسرے اور نہیں تو کسی ایک زبان کے جملہ
الفاظ پر محیط ہو تیسرے حقائق جملہ اشیاء اوسکے نزدیک ایسی طرح متمیز ہوں جیسے آنکھوں والونکے سامنے دائرہ و مثلث
مربع و مخمس وغیرہ چوتھی وضع کلی و جزئی و وضع اجمالی و تفصیلی الفاظ سے مطلع ہو وضع کلی و اجمالی تو یہ کہ ہیئت اجتماعی
حروف ہجا کو جو الفاظ میں ہوتی ہے اور ہیئت اجتماعی نسب و اضافات کو جو معانی میں ہوتی ہے جیسے واضع نے
باہم مقابل یکدیگر رکھا ہو اوسکو پورا پورا جانتا ہو یہ نہو کہ بوجہ تلازم معانی جو اکثر ایک حقیقت یعنی ہیئت اجتماعی
نسب و اضافات مشار الیہ کو دوسرے سے ہوتا ہے ایک حقیقت کی جگہ دوسری کو موضوع لہ اور مقابل ہیئت
اجتماعی حروف ہجا سمجھ بیٹھے اور وضع جزئی و تفصیلی یہ ہے کہ خود حروف ہجا کے مسقط اشارہ اور مصداق اور
مدلول کو پہچانے اردو فارسی میں تو اسما اور افعال میں حروف ہجا کے مقابل کچھ معلوم نہیں ہوتا البتہ حروف میں
جہاں کوئی حرف منجملہ حروف ہجا ایک حرف مفرد ہے جیسے با یا باد میں بار مرکب نہیں جیسے از و غیرہ وہاں یہ
کہہ سکتے ہیں کہ اس حرف کے مقابل میں فلانی حقیقت ہے اور بظاہر اور زبانوں کا بھی یہی حال معلوم
ہوتا ہے اسلئے کہ حروف ہجا کی حقائق سے کسی اور زبان میں تعرض مسموع نہیں ہوا البتہ عربی میں حروف
ہجا کے مقابل حقائق بسیطہ اضافات معلوم ہوتے ہیں وجہ اسکی یہ ہے کہ اسما و افعال مجردہ عربیہ کم سے کم
ثلاثی یعنی سہ حرفی ہوتے ہیں اسپر یہ دیکھا جاتا ہے کہ فا اور عین میں یعنی اول اور دوئم حرف میں مثلاً اشتراک
ہے اور لام یعنی حرف آخر میں اختلاف ہے تو معانی میں اشتراک اور اختلاف ہوتا ہے مثلاً شرف و شرر

اور شرو اور شرع کو جو دیکھا جاتا ہے تو سب میں بلندی اور حرکت کا مضمون ملحوظ ہے اور باایں ہمہ ہر ایک ایک جدے
مضمون پر بھی دال ہے شرف کو سب جانتے ہیں کہ بلندی مراتب پر پہونچ جانے کو کہتے ہیں اور شرر شعلہ کا
نام ہے جسکا کام یہی ہے کہ اوپر کو کر دیا نیچے اوپر ہی کو رہتا ہے اور شار وادسکو کہتے ہیں جو اوچھلتا ہوا بھاگ
جائے اور شرع اوس اونچی سڑک یعنی راہ سیر و سفر کو کہتے ہیں جو دور سے نظر آئے غرض جیسے حروف
میں اشتراک شین ورا اتحاد ویسے ہی معانی میں بھی دو اضافتیں ہیں ایک تو بلندی دوسری حرکت
جو در حقیقت ایک سے انفصال و بعد اور دوسرے سے اتصال و قرب ہے جو بالبداہت از قسم اضافات
ہیں کیونکہ بے اطراف اونکا تحقق ممکن نہ بے اطراف ونکا تعقل متصور اور جیسے حرف آخر میں اختلاف ہے
ویسے ہی مدلولات خاصہ میں تباین اور تغایر ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ بیشک زبان عربی میں
حروف ہجا بمقابلہ حقائق بسیط اضافات ہیں اور اسوجہ سے اس زبانکو اور زبانوں پر شرف ہے اور حسن
ذاتی الفاظ جسکا ذکر اوپر آچکا ہے وہ اگر متصور ہے تو اسی زبان میں متصور ہے جسکی وجہ سے یوں
دعوی کر سکتے ہیں کہ گو بلاغت اور زبانوں میں بھی متصور ہے پر فصاحت اصلی سوائے زبان عربی اور
کسی زبان میں متصور نہیں کیونکہ حسن الفاظ بایں معنی کہ عناصر معانی مفردہ پر حروف الفاظ مفردہ پورے
منطبق ہیں وہیں ممکن ہے جہاں حروف ہجا موضوع ہوں مہمل نہوں البتہ ایک حسن الفاظ بوجہ کثرت استعمال
ہے جو ایسی طرح باعث انس و محبت ہو جاتا ہے جیسے صحبت باہمی و پرورش یہانتک کہ باوجود منافرت طبعی اسوجہ
سے انسان اور حیوان باہم مانوس ہو جاتے ہیں اس قسم کی محبوبیت اور زبانوں کے الفاظ میں بھی ہوتی
ہے اور اسوجہ سے اگر الفاظ کثیر الاستعمال کو الفاظ حسنہ کہیں تو بجا ہے کیونکہ مآل حسن و محبوبیت ایک ہے بلکہ
دونوں ایک ہی ہیں چنانچہ گذارش سابقہ سے اہل فہم نے سمجھ لیا ہوگا اس تقریر سے یہ بھی سمجھ میں آگیا ہوگا۔
کہ عرب کو عرب اور عجم کو عجم کیوں کہتے ہیں یعنی اعراب اظہار کا نام ہے اور اعجام اوسکی ضد ہے چونکہ عربی میں حروف
ہجا کے مقابل بھی حقائق موضوع لہا ہیں اور اور زبانوں میں یہ بات نہیں تو عربی میں اظہار معانی بوجہ اتم ہے اور
باقی زبانوں میں یہ بات نہیں اور چونکہ افصاح میں اظہار ہے تو فصاحت تامہ سوائے زبان عربی ممکن نہیں اور اسوجہ سے
بلاغت تامہ بھی جسکا حاصل انطباق مضامین جزئیہ اور الفاظ جملہا کے مقابلہ ہوگا سوائے عربی ممکن نہیں کیونکہ فصاحت
بلاغت کیلئے بمنزلہ عنصر اور جزو مرکب ہے یہی وجہ ہوئی کہ کلام خدا کیلئے یہ زبان تجویز کی گئی ہاں خدا کی کتابیں مثل
توراۃ و انجیل اور زبانوں میں بھی نازل ہوئیں مگر ظاہر ہے کہ کسی کی کوئی کتاب ہو تو یہ لازم نہیں کہ اوسکی کلام بھی

ہو کیونکہ عربی زبان میں کتاب خط کو کہتے ہیں اور خط اور نسخے بھی لکھوا سکتے ہیں سو اگر مضمون الہامی ہو اور عبارت
ملائکہ ہو یا فرض کرو عبارت انبیاء ہو جیسے اہل کتاب کا بنسبت توراۃ و انجیل خیال ہے تو توراۃ و انجیل کتاب اللہ تو ہونگی
پر کلام اللہ نہ ہونگی اور شاید یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف میں جہاں توراۃ و انجیل کا ذکر ہے وہاں اونکو کتاب اللہ کہا ہے کلام اللہ نہیں کہا اور
ایک آدھ جا سوا قرآن اور کلام کو اگر کلام اللہ کہا ہے تو وہاں نہ توراۃ کا ذکر ہے نہ انجیل کا بلکہ بدلالت قرآن اوس کلام خدا کا ذکر
معلوم ہوتا ہے جو ہمراہیان موسیٰ علیہ السلام نے سنی تھی اور پھر یہ کہا تھا کہ لن نؤمن لک حتی نری اللہ جہرۃ یعنی فقط کلام سنکر ایمان
نہ لائیں گے خدا کو دیکھ لیں گے تو ایمان لائیں گے اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اور کتابوں کے اعجاز بلاغت و فصاحت کا دعویٰ نہیں کیا گیا یعنی
خدا کی کلام ہوتی تو وہ بھی معجز ہوتی کیونکہ ایک آدمی کے کلام کا ایک انداز ہوتا ہے چنانچہ مشاہدہ عبارات مصنفین سے ظاہر ہے پھر خدا
تو خدا ہے جب ہر آدمی کے کلام کا ایک جدا انداز ہو باوجودیکہ اوسکی کسی بات کو قرار و دوام نہیں بلکہ ہمیشہ بوجہ انقلاب احوال طبعی
ایک انقلاب رہتا ہے تو خدای قدیم وحدہ لاشریک لہ کے کلام جسکی ذات و صفات تک تغیر و انقلاب کو رسائی ہی
نہیں کیونکر ایک انداز پر نہ رہیگی الحاصل زبان عربی میں جسقدر فصاحت و بلاغت ممکن ہے اوسقدر اور زبانوں میں ممکن
نہیں مگر مرتبہ بالا بادیہ کمال ہر کسیکو میسر نہیں آسکتا اول درجہ میں تو اسکا مستحق خداوند جل جلالہ ہے کیونکہ اوسکا علم
محیط ایسا نہیں جو کوئی بات اوس سے چھوٹی ہو حقائق واجبہ لیکر حقائق ممتنعہ اور حقائق ممکنہ تک سب اوسکو بعین
معلوم اور ہر حروف ہجا سے لیکر مواد ترکیبی تک سب اوسکی پیش نظر اور اونکی مدلولات اصلیہ سے اوسکو خبر اسلئے ہر حقیقت کو
پورا پورا لباس الفاظ اور خلعت کلام اوسکی طرف سے عطا ہو سکتا ہے بلکہ مرتبہ کلام نفسی خداوندی میں ہو چکا کیونکہ اوسکا علم سب کا
سب بالفعل ہے کوئی حالت منتظرہ کسی باب میں نہیں جو کسی علم کو اوسکی نسبت بالقوہ کہئے ہاں سوا قرآن شریف
اور خدا کے کلام اور کلمات کی ہمکو اطلاع نہیں اسکی طرف آیہ۔ ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من
بعدہ سبعۃ ابحر ما نفدت کلمات اللہ ان اللہ عزیز حکیم میں اشارہ ہے جسکا حاصل مطلب یہ ہے کہ اگر تمام روی زمین کے درختوں
کے قلم بنائے جائیں اور دریائے سمندر بلکہ سات ایسے ہی ایسے اور دریا سیاہی بنیں تب بھی اللہ تعالیٰ کی باتیں یعنی اوسکے
کلام پاک جو اوسکے تمام علوم پر دلالت کرے پوری نہوں بیشک اللہ بڑا غالب حکیم ہے اور بعد خداوند علیم و حکیم
مرتبہ بمرتبہ بلند پروازان اوج حقیقت اور شہبازان لطائف معرفت اس دولت بے بہا سے بہرہ ور ہوئے ہیں
اور یہ وہ کمال ہے کہ کوئی کمال اوس کے ہم پلہ نہیں ہو سکتا وجہ اسکی یہ ہے کہ کمالات کی دو قسمیں ہیں ایک
کمالات علمیہ یہ کمالات تو قوۃ علمیہ سے متعلق ہیں دوسرے کمالات عملیہ یہ کمالات قوۃ عملیہ سے مربوط ہیں
اور ظاہر ہے کہ قوۃ عملیہ یعنی وہ صفات و اخلاق جو مصدر اعمال ہوتے ہیں اپنی کارگذاری میں اشارہ قوت علمیہ

کے منتظر ہیں ارادہ و قدرت بے علم بیکار ہیں سخاوت شجاعت ظہور اعمال سخاوت و شجاعت میں علم موقع شجاعت
و سخاوت کے محتاج چنانچہ بقدر ضرورت اسکی تحقیق بطور مشتے نمونہ خروارے اوراق گذشتہ میں ہو چکی اسلئے
کمالات عملیہ تمامہا کمالات علمیہ سے نیچے ہونگے پھر کمالات علمیہ میں سے بھی علم انطباق مذکور سب علوم سے
ایسی طرح دقیق اور اعلیٰ جیسے علم حساب و ہندسہ سب علوم میں جلی اور ادنے علم حساب و ہندسہ کا ادنے ہونا تو
اسی سے ظاہر ہے کہ اوسکے قواعد پر اعتراض نہیں ہوتا اثبات میں وہ اور بدیہات شریک یکدیگر ہیں اور
علم انطباق کے اعلیٰ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ وہ اول تو تمام علوم کو محیط آخر ہر علم کی معلومات کو بیان کی حاجت
اور بیان کو علم انطباق کی ضرورت اسلئے اول تو علم انطباق کیلئے تمام علوم کی معلومات کی فہم کی لیاقت
چاہئے اور ظاہر ہے کہ یہ کیسی دشوار بات ہے دوسرے پھر انطباق و عدم انطباق کی تمیز درکار اور ظاہر
ہے کہ یہ اوس سے بھی دشوار کیونکہ حقائق واجبہ ہوں یا ممکنہ سوائے ذات مقدس جناب باری سب از قسم
اضافت ہیں صفات کا حال خود معلوم ہے اونکا تعقل فاعل و مفعول کے تعقل پر موقوف اگر فرق
ہے تو اتنا ہے کہ صفات مطلقہ تو جنکو افعال متعدیہ سے تعبیر کرتے ہیں فاعل اور مفعول دونوں کی طرف
بقدر ضرورت ذاتی مائل ہیں اور صفات لازمہ فقط فاعل یا مفعول کیطرف متوجہ اور راجع ہوتے ہیں
گو دوسرے کے ساتھ جو علاقہ تھا اصل میں بدستور ہو یعنی ہر صفت متعدیہ کو فاعل و مفعول دونوں سے
ارتباط ہوتا ہے اون دونوں ارتباطوں میں سے فقط ایک کو مخبر عنہ اور مبحوث عنہ قرار دیں تو الفاظ
میں فقط اوسیکی طرف دلالت ہونے چاہئے جیسے ضاربیت و مضروبیت مگر اصل میں ضرب کو ان دونوں
صورتوں میں بھی دونوں سے بدستور علاقہ باقی رہتا ہے اور اضافت ہونے سے جسکے یہ معنی ہیں کہ
کہ تحقق و تعقل میں اپنی دو طرفوں کا محتاج ہو لازم ہو کر نکل نہیں جاتا یہ تو اوس صورت میں ہے جبکہ صفات
جناب باری کو معطل نکیجئے اور اپنے اپنے مفعولوں سے متعلق سمجھئے اور اگر متعلق ہونے سے قطع نظر کیجے بلکہ اوس
درجہ کو لیجے جو بمنزلہ قوت باصرہ ہو مبصرات سے متعلق ہو کہ نہو تو اس صورت میں احتیاج الی ذات الباری تو
بدستور ہے ہاں ضرورت مفعول میں بظاہر کلام ہے مگر جب اس بات کو دیکھئے کہ ذات باری مصدر اور
مبدا حرکت صدور و خروج ہے اور مفعولات صفات منتہی اور مظہر اور محل ہوتے ہیں اور منتہی مقصود حرکت
و تحرک ہوا کرتا ہے تو پھر ہر صفت میں خواہش مفعول ذاتی اور طبعی ہوگی گو وہ خواہش اسی قسم کی ہو جیسے
سخی کو بضرورت اعطا فقیر کی ضرورت ہوتی ہے یعنی جیسے سخی فقیر سے کچھ حاصل نہیں کرتا بلکہ

حاصل کروادیتا ہے ایسے ہی صفات کاملہ کو اپنے مفعولات سے کچھ حاصل نہیں ہوتا بلکہ اونکو پرتوہ صفات
اسیطرح حاصل ہوجاتا ہے جیسے پرتوہ شعاع آفتاب جو صفت صادرہ من الشمس ہے زمین کو حاصل ہوجاتا
ہے لیکن ہر چہ بادا باد وہ خواہش ذاتی ذات سے کہاں الگ ہو ذات صفات کیساتھ وہ خواہش بھی وقت
تعقل وادراک پیش نظر رہیگی اور اسوجہ سے مفعول مطلق کے تعقل کی ضرورت بطور اجمال ہر دم رہیگی غرض کسی طرح
سے دیکھو اضافی ہونا صفات کا کسی طرح محل تامل نہیں اسمیں صفت وجود ہو یا صفات باقیہ امہات صفات
یعنی اصول ہوں یا صفات باقیہ جو اونہیں کے اجتماع سے پیدا ہوجاتی ہیں جیسے رحمت مثلاً علم اور تکوین اور وجود
سے ملکر حاصل ہوجاتی ہے علی ہذا القیاس غضب وغیرہ کو خیال فرمائیے مگر جب صفات باری کا یہ حال ہے تو
حقائق ممکنہ میں یہ بات کیوں نہوگی ممکن پرتوہ وجود باریتعالی شانہ ہے اور علم ممکن پرتوہ علم باریتعالی شانہ
وجہ اسکی یہی ہے کہ اور صفات تو وجود کو لازم اور اوسی سے صادر وجود آئے تو وہ صفات آئیں وجود جائے تو وہ جائیں
چنانچہ پہلے بقدر ضرورت یہ بحث معروض ہوچکی ہے اور خود وجود ممکنات کا یہ حال کہ بالعرض یعنی مثل دھوپ جو زمین
میں پرتوہ شعاع آفتاب اور آفتاب سے مستعار ہے ایک پرتوہ وجود خدا اور خدا سے مستعار عین خدا نہیں پر خدا سے ایسا
جدا بھی نہیں کہ خدا سے کسیطرف استغنا اور انفصال ممکن ہو مگر جب وجود ممکنات پرتوہ وجود خداوندی ہوا اور وہ وجود
خداوندی جسکا یہ پرتوہ ہے ایک صفت اور ایک امر اضافی تو پھر وجود ممکن میں استغنا اور استقلال کہاں جو یوں
کہئے وہ اضافی نہیں علاوہ بریں مخلوقات بتمامہا مفعول مطلق وجود وغیرہ صفات ہیں چنانچہ اسیوجہ سے اونکو
لفظ مخلوق سے تعبیر کرتے ہیں جیسے خدا کو لفظ خالق سے تعبیر کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مفعول مطلق صفت فاعلہ
یعنی مبدا فعل اور مفعول بہ کے بیچ میں ایک حد اور اضافت ہوتا ہے مثال درکار ہے تو یہی دھوپ کافی ہے نور
شعاع صفت فاعلہ اور مبدا فعل ہے اور دھوپ جو ایک سطح نورانی مطابق سطح زمین ہے مفعول مطلق اور زمین
مفعول بہ اور ظاہر ہے کہ وہ دھوپ اوس شعاع اور اس زمین کے بیچ میں ایک حد محدود اور اضافت محسوس
ہے اور کیوں نہو اوسکا تحقق شعاع اور زمین دونوں پر موقوف اور اسوجہ سے اوسکا تعقل بھی دونوں
کے تعقل پر موقوف غرض حقائق ممکنہ میں معنی اضافت صفات مذکورہ سے بھی زیادہ اور پھر حقائق ممکنہ کو
دیکھا تو وہ بھی ایک مرتبہ میں نہیں بلکہ جیسے سطح اضافت بین الجسمین یا بین البعدین ہوکر پھر خط سے اوپر کے
درجہ میں ہے یعنی خط اضافت بین السطحین کا نام ہے اور نقطہ اضافت بین الخطین کو کہنا چاہیے گو ایک
خط منجملہ خطین موہوم ہی ہو ایسے ترتب ممکنات سے جو اونکے جوہر اور عرض ہونے سے ہویدا ہے یہ بات پیدا ہے

کہ ممکنات گو بتمامہا از قسم اضافت ہیں مگر پھر کوئی اوپر کے درجہ کی اضافت کوئی نیچے کے درجہ کی اضافت
یعنی کوئی اول اضافت ہے اور کوئی اضافت کی اضافت اور کوئی اضافت کی اضافت کی اضافت
علے ہذا القیاس نیچے تک چلے چلو چنانچہ حقائق شناسان سلیم الطبع خود ہی جانتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اول تو
اضافات ہی نسبت اطراف اضافات خفی اور دقیق ہوتے ہیں پھر جب اضافت کی اضافت ہوئی یا اوس سے
بھی آگے نوبت پہونچی تو خفا اور دقت کو ترقی کیوں نہ ہوگی اور جب کوئی حقیقت مرکب من الاضافات الکثیرہ
ہو تو پھر اور بھی دقت پر دقت اور خفا پر خفا پیدا ہوگا اور ظاہر ہے کہ بساطت تو فقط حق واجب تعالی شانہ ہے
اوسکے بعد جوں جوں نیچے اوتریئے ترکب آتا جاتا ہے چنانچہ ایک ایک جزئے میں ہزاروں کلیوں کا پتا لگتا ہے
اس صورت میں بیان میں یہ دقت پیش آئیگی کہ خدا ہی کرے جو رفع ہو اور علوم میں اگر نظر ہے تو اسیر ہے کہ مسئلہ
علم کے موضوع اور محمول میں لزوم ذاتی ہے یا نہیں اور ظاہر ہے کہ یہ بات فقط موضوع و محمول کے علم اجمالی پر
موقوف ہے اور انطباق حقائق خارجیہ اور الفاظ کلام میں اسکی ضرورت ہے کہ یہ حقیقت کونسے درجہ کی اضافت
ہے تاکہ اوسی کے مقابل کے حرف حروف ہجا میں سے یا کوئی کلمہ مرکب من الحروف بیان کیا جائے اور ظاہر ہے
کہ یہ بات بے اسکے متصور نہیں کہ ایکبار تہ تک کی خبر ہوجائے اور بالتفصیل تمام مراتب اضافات کو طے کرلیا جائے اور
ظاہر ہے کہ یہ بات اتنی دشوار ہے کہ کوئی مسئلہ کسی علم کا اوتنا دشوار نہیں اور واقعی یہ بات پوری پوری بجز خداوند
عالم الغیب و الشہادہ اور کسی سے متصور نہیں یہی وجہ ہے کہ باوجود ضبط حقیقت فصاحت و بلاغت و قواعد
فصاحت و بلاغت آجتک فصاحت و بلاغت کسیکے قابو میں نہ آئی یہ نہوا کہ جیسے بعد علم حقیقت جمع و تفریق و ضبط
قواعد جمع و تفریق ہر قسم کی رقموں کی جمع و تفریق پر قادر ہوجاتے ہیں اور جمع و تفریق کے کرلینے میں فرق کمی و بیشی
جمع کرنیوالوں میں نہیں رہتا ایسے ہی بعد علم حقیقت فصاحت و بلاغت و ضبط قواعد فصاحت و بلاغت
کے سب یکساں ہوجائیں یا کسی سے کوئی دقیقہ فصاحت و بلاغت کا نچھوٹے اسپر سکرٹری آریہ سماج امرتسر
و یرکھ وصاحب ہدایت المسلمین اس علم کی تحقیقات میں قلم برداشتہ کیا کیا نکات بیان فرماتے ہیں کہ کا ہیکو کسی
نے سنے ہونگے انھوں نے سمجھا ہوگا کہ یہ بھی کوئی دھوتی آزار کے پہننے کی بات ہے جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی صاحبو
اس تقریر کے سمجھنے والونکو معلوم ہوگیا ہوگا کہ جیسے کمالات علمیہ کمالات عملیہ سے فائق تھے منجملہ کمالات علمیہ یہ کمال ادراک اوں
سے فائق ہے مگر آفرین ہے سکرٹری آریہ سماج امرتسر پر کہ وہ ہنوز فصاحت و بلاغت کو ایک خیالی پلاؤ خیال فرماتے ہیں کہ جو
فرماتے ہیں کہ مسلمان قرآن کو دل لگا کر پڑھتے ہیں اگر وید کو اسطرح پڑھیں تو وہ بھی اسیطرح اچھا معلوم ہونے لگے

اس کمال کی حقیقت سے آگاہ ہوتے تو یوں نفرت نہ کرتے ما جو میری گذارش کو سمجھ گئے تو سمجھ گئے کہ اس کمال پر مراتب کمالات ختم ہو جاتے
ہیں اسلئے اس کمال کا اعجاز بھی دیکھو لیگا جو خاتم اہل کمال ہوا سو جہ یا اعجاز اور اعجازات علمی سے بھی مثل اخبار مغیبات
و پیشین گوئی فائق رہیگا چہ جائیکہ احیاء موتے و کلام حیوانات و نباتات و جمادات و حرکت نباتات و جمادات و انشقاق
قمر و حنین جذع وغیرہ معجزات عملیہ باجملہ یہ سر دفتر کمالات بجز خاتم اہل کمال اور کسکو نصیب نہو گا جیسے انشقاق قمر کی ادراک کیلئے
آنکھوں کی ضرورت ہے اور کلام جمادات کیلئے کان کی حاجت اس اعجاز کی اطلاع کیلئے کمال عقل و فہم درکار اور جہاں یہ نہو
تو پھر وہاں حمایت ہدایت المسلمین اور سکرٹری آریہ سماج امرتسر ہی کی بات ٹھیک ہے القصہ یہ کمال حصہ خاتم الکمالات ہے
مگر ظاہر ہے کہ بنی آدم میں وہ لوگ علی مرتبہ میں ہونگے جو خدا سے ایسی نسبت رکھتے ہوں جیسے بادشاہ سے حکام
ماتحت یا استاد و پیر اونکے خلفا یعنی حکمرانی اور تعلیم ہدایت میں خدا کے نائب اور خدا کے خلیفہ اور خدا کیطرف سے مامور ہوں
اور یہ وہ لوگ ہیں جنکو اہل اسلام انبیاء کہتے ہیں مگر چونکہ حکام ماتحت بادشاہی متعدد اور متفاوت المراتب ہوتے ہیں اور
خلفاء تعلیم بھی متعدد اور مراتب میں کم و بیش چنانچہ گورنر سے لیکر کنسٹبل تک سب حاکم ہیں مگر ایک دوسرے سے مرتبہ حکومت
و اختیارات میں زیادہ کم اور مدرس اول سے لیکر مدرس آخر تک سب معلم مگر درجات علم و تعلیم میں زیادہ کم اسلئے وہ نبی
جو سب انبیاء کا اسی طرح افسر ہو جیسے گورنر مثلاً سب حکمجات اور تمام حکام کا حاکم اور افسر ہوتا ہے یا جیسے ڈائرکٹر
مثلاً تمام مدارس اور مدرسین کا حاکم اور افسر ہوتا ہے خاتم مراتب کمالات انسانی اور خاتم مراتب کمالات علمی و عملی
ہوگا نہ اوسکے علوم کے برابر اونکے علوم ہونگے اور نہ اوسکے حکم کے اوپر کسی اور کا حکم ہوگا اوسکا حکم اور حکمنامہ جو واقعی
حکم و حکمنامہ خداوندی ہوگا کیونکہ نائب خدا ہے اصل حاکم نہیں تمام احکام اور حکمناموں کا ناسخ ہوگا گو وہ
نسخ اس قسم کا ہو جیسے نسخہ مسہل ناسخ نسخہ منضج ہوتا ہے اور پھر اوسکے حکمنامہ کی عبارت تمام حکمناموں
کی عبارتوں سے فصاحت و بلاغت اور علو مضامین اور جامعیت علوم ضروریہ دین میں اعلیٰ اور افضل ہوگی
مگر چونکہ ایسے حاکم بالادست اور مدرس علی کا خطاب جسکے اوپر اور کوئی حاکم اور مدرس نہ ہو ایسا ہونا چاہیئے
جس سے ہر کوئی اوسکی افسری اور برتری سمجھ جائے اسلئے اوس افضل المخلوقات کے لیئے بھی خدا
کی طرف سے ایسا خطاب ہونا چاہیئے جس سے ہر کوئی یہ سمجھ جائے کہ اس شخص سے اوپر اور کسی کا مرتبہ
نہیں سو یہ بات سوائے حضرت سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کو میسر نہیں آئی
کسی دین کی کتاب آسمانی میں اوس دین کے کسی پیشوا کی نسبت اس قسم کا خطاب نہیں ہاں حضرت
سرور کائنات محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو البتہ خطاب خاتم النبیین عطا ہوا جس سے صاف عیاں ہے کہ جیسے

گورنر خاتم مراتب حکومت نیابت ہوتا ہے ایسے ہی مخاطب کو خاتم مراتب کمالات نبوت ہیکہ جو متضمن کمالات
علمیہ و کمالات حکومت ہے کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام خدا کی عظمت و شان و راو سکے احکام سے مطلع ہو کر اور انکو اوسکی
عظمت و شان سے مطلع فرماتے ہیں اور پھر وہ احکام پہونچا کر تاکید تعمیل فرماتے میں اطلاع مذکور تو کمالات علمیہ کیطرف
مشیر ہے اور حکم رسانی اور پھر حکمرانی کمالات حکومت کیطرف اشارہ کرتی ہے اور جب حضرت خاتم النبیین خاتم مراتب
علمیہ و خاتم مراتب حکومت ہوئے تو نہ اونکی تعلیم کے بعد اور کوئی معلم تعلیم آسمانی لیکر آئے اور نہ اونکے بعد اور کوئی حاکم خدا
کیطرف سے حکمنامہ لائے اور پھر یہ بھی ضرور ہے کہ جیسے گورنر کو مالی ملکی دیوانی فوجداری سب کا اختیار ہوتا ہے اور حکام
ماتحت کو مثل حکام دیوانی و کلکٹری و مدارس و انہار وغیرہ خاص خاص اختیارات ایسے ہی خاتم النبیین کو بھی فقط لطف
و کرم ہی کا اختیار نہوگا قہر و غضب کا بھی اختیار ہوگا یعنی وہ فقط نائب درگاہ رحمت رحیم مطلق اور مظہر احکام رحمت ہی نہو گا
بلکہ نائب درگاہ قہر اور مظہر احکام قہر خداوندی بھی ہوگا یعنی جیسی تعلیم تہذیب و ادہش لطف و کرم کی اونکے مواقع میں
اجازت ہوگی ایسی ہی قہر و جہاد کی بھی اوسکو اجازت ہوگی غرض اختیار جہاد اور اختیارات کے ساتھ صاحب اختیار کی علو
شان پر دال ہے ہاں عقل نہو تو کچھ بھی نہیں اور نیز یہ بھی ضرور ہے کہ خاتم النبیین کے ظہور کے بعد نجات اسمیں منحصر ہو
کہ اوسکا اتباع کیجے اور انکا اتباع اوسوقت مفید نہو گا اور کیونکر ہو جیسے گورنر کے حکم کے بعد نہ کلکٹر کی کوئی سنے نہ مجسٹریٹ
کی کوئی سنے ایسے ہی بعد صدور احکام خاتم النبیین اور انبیاء کرام علیہم السلام کے احکام کی شنوائی نہو گی غرض نجات
جسکو ہنود مکتی کہتے ہیں اس زمانہ میں بے اسکے متصور نہیں کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور اونکے لائے ہوئے حکمنامہ
یعنی قرآن کا اتباع کیجے اسپر بھی کوئی نہ مانے تو وہ جانے - برسولاں بلاغ باشد و بس اب ناظران اوراق کی خدمت میں التماس
ہے کہ ہماری تقریر اور سکرٹری آریہ سماج امرتسر اور میرٹھ کی تحریر کو دیکھکر فرمائیں کہ کون سمجھکر کہتا ہے اور کون گویم وے
ندانم کیطرح بے سوچے سمجھے دخل در معقولات دیتا ہے اسپر لالہ صاحب سکرٹری امرتسر کی تقریر کو لائق دید فرماتے ہیں
ہاں ایسے ہی گرفتاران دام جہل مرکب کے نزدیک جیسے لالہ صاحب ہیں اگر قابل دید ہو تو کیوں نہیں اس تقریر سے
سمجھ میں آگیا ہو گا کہ سمجھداروں کے نزدیک تو قرآن کی کتاب اللہ اور کلام اللہ ہونے پر اوسکا اعجاز مشار الیہ کافی
ہے ہاں سمجھ نہو تو پھر یہ اعجاز ایسی طرح بیکار ہے جیسے اندھوں کے آگے وہ اعجاز جس میں آنکھ کی ضرورت ہو
مگر چونکہ اہل فہم جہان میں کم ہی ہوتے ہیں اسلئے خداوند عالم نے بروئے لطف و کرم بوجہ جامعیت کمالات
علمی و عملی جس سے اوپر اور کسی فرد بشر میں و تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے اور معجزات عظیمہ ظاہرہ
و باہرہ مثل انشقاق قمر و حنین ستون و اطاعت نباتات و تسبیح جمادات وغیرہ جن کی خوبی و کمال کے بیان کی یہاں

گنجایش نہیں اور رسالہ حجۃ الاسلام میں مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ نے بقدر ضرورت بیان بھی کر دیا ہے اس کثرت
سے ظاہر فرمائی کہ کسی اور بزرگ کے معجزات اور خوارق اوسکے عشر عشیر بھی منقول نہیں اور پھر ہر ایک کی سند
متصل یہ نہیں کہ مثل کتب ہنود و روایات نصاری و یہود بے سند ہوں چنانچہ واقفان روایات جملہ مذاہب
پر یہ بات پوشیدہ نہ رہیگی اور کسیکو میرا کہنا برا لگے تو سندیں لائے اور دکھلائے غرض کہ مضمون کے لئے قرآن
کے کلام اللہ اور کتاب اللہ ہونیکی وجہ ثبوت اور معجزات ہیں اعجاز علمی نہ سہی مگر بہرحال بادا باد بروئے انصاف و عقل
سلیم قرآن کا کتاب اللہ ہونا واجب التسلیم ہے اور سوا اسکے اور کسی کتاب کا کتاب اللہ ہونا ہرگز پایہ ثبوت کو نہیں پہونچ
سکتا مگر ہاں شاید کسیکو اسکا انتظار ہو کہ بسم اللہ کے مقدمہ میں لالہ صاحب اور سکرٹری امرتسر نے جو کچھ فرمایا ہے اوسکا
کیا جواب ہے اور در بارہ مضامین جو کچھ اونھوں نے لکھا ہے اوسکی کیا تردید ہے اسلئے یہ گذارش ہے کہ لالہ صاحب
کو تو بسم اللہ کے سمجھنے کا سلیقہ بھی نہیں مضامین قرآن شریف تک تو اونکو رسائی کہاں واقعی یوں ہے کہ اونکی
بسم اللہ ہی غلط ہے وہ رحمن کو اسم تفضیل فرماتے ہیں شاید کسی طالب علم عربی سے لفظ اسم تفضیل سن بھاگے ہیں
اور اوسکو ایسی طرح استعمال کرتے ہیں جیسے کسی جاہل نے کسی ایرانی سے دائم ولے نگویم سنکر یاد کر لیا تھا اور پھر جہاں
غرض کہ ناواقفوں کے سامنے اونکی فارسی دانی معلوم ہو موقع بے موقع جملہ مذکور کو بول دیا کرتا تھا حضور کو اتنا
تو معلوم ہی نہیں کہ اسم تفضیل اہل صرف کے نزدیک بجز وزن افعل اور کسی وزن میں نہیں ہوتا اگر یوں کہتے کہ رحمن صیغہ
مبالغہ کا ہے تو البتہ بجا تھا مگر اس صورت میں اول تو اعتراض کی کوئی صورت نہیں کیونکہ رحمن اگر صیغہ مبالغہ ہے تو رحیم
بھی صیغہ مبالغہ ہے اور لالہ صاحب تو لالہ صاحب واقفان علم صرف و نحو عربی بھی اگر تمام عمر سر ماریں تو یہ بات کسی کتاب صرف سے
ثابت نہ کر سکیں کہ رحمن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے اور اگر زیادتی مبالغہ رحمن کو نسبت رحیم تسلیم ہی کیجے اور ہم کہتے
ہیں بیشک رحمن میں زیادہ مبالغہ ہے چنانچہ محاورہ دانان عربیہ اور رموز شناسان علم انطباق مذکور جانتے ہیں تو پھر
جواب اعتراض مذکور یہ ہے کہ یہ مقام مدح و ثنا نہیں جو یہ شبہ دلنشین ہو بلکہ موقع استعانت و عجز ہے حاصل یہ ہے کہ باء بسم اللہ
فعل محذوف کے ساتھ متعلق ہے وہ محذوف استعین یا ابتدا یا اشرع یا آکل یا اشرب وغیرہ ہوتا ہے غرض جس کام کے شروع
میں بسم اللہ کہتے ہیں اوسی کام پر دلالت کرنیوالا فعل یا مطلق شروع پر دلالت کرنیوالا یا استعانت پر دلالت کرنیوالا
حسب نیت متکلم محذوف ہوتا ہے مگر بہرحال بادا باد مقصود ہوگی وہ استعانت یا اظہار احسان ہوتا ہے مثلاً کھانے پینے
کے شروع میں بسم اللہ کہتے ہیں تو یہ غرض ہوتی ہے کہ نعمت عطاء خدا ہے میں اپنی ماں کے پیٹ سے نہیں لایا اور پڑھنے وغیرہ کے
شروع میں کہتے ہیں تو یہ غرض ہوتی ہے کہ کمال اپنے اعانت خداے ذو الجلال ممکن الحصول نہیں غرض اہل اسلام اس کلمہ پاک

کی بدولت ہرحال میں اپنے خدا کو یاد رکھتے ہیں ہنود وغیرہ کی طرح نہ وہم احسان فراموشی اونکی طرف ہوسکتا ہے
اور نہ گمان استغنا و استقلال اونکی طرف جاسکتا ہے مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ احسان ہو یا اعانت ہو مالک مختار صاحب
رحم و کرم کا کام ہے لیکن اختیارات کے کارخانہ میں اول درجہ والا اول ہوتا ہے اور دوم درجہ والا دوم اور سوم درجہ والا
سوم نیچے کے درجہ والا اپنی کارکنی میں اوپر کے درجہ والوں کے اشارہ کا تابع ہوتا ہے اوپر سے حکم صادر ہو تو نیچے اوسکی تعمیل
ہو اسلئے اول محکم اول سے چارہ جوئی مناسب ہے تاکہ پھر کچھ کھٹکا ہی نہ رہے بسم اللہ میں بھی یہی ہے اول درجہ ذات جامع
الکمالات و الاختیارات ہے اسکے بعد مرتبہ رحمن تھا اوسکے بعد مرتبہ رحیم اسلئے درجہ بدرجہ تنزل ہے اور یوں نہو تو وضع
الفاظ ترتیب اصلی کے مخالف ہے اور انطباق مذکور جو اصل فصاحت و بلاغت ہے ہاتھ نہ آئے مگر جنکو سر دم کی تمیز نہو وہ
ان باتوں کو کیا جانے وہ اگر اپنی کج عقلی کے باعث اس کمال بلاغت و فصاحت پر بسم اللہ کو غیر فصیح و بلیغ کہیں تو
وہ معذور ہیں باقی رہے اوہ مضامین اون میں سے تخالف مضامین قرآنی تو ایسا غلط ہے جیسا دن کو روشنی
میں اندھیرے کا ہونا ہاں کوئی شخص بوجہ فقدان بصر دن کو بھی اندھا ہی رہا اور اسوجہ سے یوں کہے کہ میرے نزدیک
چاندنی میں بھی اندھیرا ہے جسکا حاصل وہی اجتماع المتخالفین ہے تو یہ اوسکا قصور ہے ایسے ہی کوئی نادان بوجہ نادانی
و بدفہمی اگر مضامین قرآنی میں اپنے نزدیک تخالف بتلائے تو یہ اوس کا قصور ہے اوسکے سوا جہاد کا حال تو کسیقدر
معلوم ہی ہو گیا ہاں اتنی بات باقی رہی کہ سری رامچندر اور سری کرشن اور رام تھ وغیرہ کی لڑائیاں اگر اعلاء کلمۃ
اللہ اور ترقی دین کیلئے تھیں تو یہی جہاد ہے اور اگر بغرض حصول متاع قلیل دنیا یا غیرت و عزت دنیا تھیں تو
خدائی یا بزرگی پر اس طلب دنیا اور دنیا داری کے کیا معنی لوٹ کی سنئے خدا تعالی نے بندوںکو اپنی عبادت کیلئے
بنایا ہے اور مال و دولت اونکے رفع حوائج کیلئے بنایا ہے اور یہ ایسا قصہ ہے جیسا گھوڑا سوار کیلئے اور گھاس و دانہ
گھوڑے کیلئے سو اگر کوئی گھوڑا سواری نہ دے تو وہ اس قابل ہے کہ اوس کے تو گولی ماریں اور اوس کے حصہ
کا گھاس دانہ اون گھوڑوں کو دیں جو سواری دیں ایسے ہی جو بندہ بندگی نہ کرے تو وہ تو اس قابل ہے
کہ اوس کا کام تمام کیا جائے یہ تو جہاد ہوا اور اوس کا مال و دولت بندگی کرنے والوں کو تقسیم کیا جاے
یہ غنیمت یعنی لوٹ ہوئی حصہ پیغمبری کا حال سنئے سفیران بادشاہی کا خرچ بادشاہ کے ذمہ ہوتا ہے
سفیران خداوندی کا خرچ خدا کے ذمہ کیوں نہو گا مگر یوں تو سارا جہان خدا کا ہے اور کیوں نہو وہی خالق
ہے وہی مالک بھی ہو گا بادشاہان دنیا تو سارے ملک کو اپنا مملوک یوں ہی براہ زبردستی سمجھتے ہیں
پر خدا تعالے واقعی سارے جہان کا مالک ہے لیکن جیسے وہ مال جو ہمارا زمان سرکاری بحکم سرکار ضبط کرلیں

حق خزانہ سرکاری ہوتا ہے وارثان و متعلقان صاحب مال کا حق نہیں ہوتا ایسی ہی وہ مال جو بندگان جانثار
عرقریزی کرکے مخالفان خدا اور غنیمان خداوند عالم سے ضبط کرکے لائیں خالصہ خداوندی سمجھا جائیگا اور
صرف سفیران خاص کو اوس میں سے دلایا جائیگا عورتونکی مجامعت کی نسبت قرآن شریف میں اول سے آخر تک
کہیں یہ حکم نہیں کہ شب و روز یہ کام کیا کرو بعرض احول عقل اگر کچہ کا کچہ سمجھ جائیں تو اونکی عقل کا قصور ہے ہاں
اپنی بی بیونسے مجامعت کی اجازت ہے سو یہ کونسی بری بات ہے آپکے ہاں اگر ممانعت ہوتی اور یہ حکم ہوتا کہ بی بی
کو ماں بہن بیٹی کی جگہہ سمجھا کرو تو البتہ آپکو افتخار اور مجال اعتراض تھی بے کس ہو نہ ہے آپ اعتراض کرتے
ہیں سو نسبت قرآن شریف میں مجامعت شب و روز کی نہ تاکید ہے نہ ترغیب البتہ عبادت اور ذکر کی ہر حال
میں ترغیب ہے مگر لالہ صاحب کو یہ بات کہیں نظر نہ آئی بوجہ تیرہ درونی کچہ کا کچہ ہی سمجھے تو کیا سمجھے رہا غلاموں کا قصہ
آپکی عبارت بے معنی سے تو کچہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کیا کہتے ہیں فقط لفظ غلاموں کو لکھکر رہ گئے موافق شعر ذوق
کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے ۔ مگر آپکے فہم نارسا کی رسائی پر دو تین باتیں بھبتی ہیں یا اصل غلامی
سے انکار ہو یا اونسے کسی فعل بد کیطرف اشارہ اور بظاہر آپکے فہم سے یہی زیادہ امید ہے کہ آپ یہاں ہی پہونچے
ہونگے اگر یہ ہے تو اسکا یہ جواب ہے کہ یہ فعل تو اہل اسلام کے نزدیک اسقدر ممنوع ہے کہ اورونکے یہاں عشر عشیر
بھی اوسکی ممانعت نہوگی قرآن و حدیث دونوں میں اسکی ممانعت موجود اور یہاں تو یہاں آخرت میں بھی اسکی
اجازت کا پتہ نہیں وہاں کے غلامونکا جہاں ذکر ہے تو فقط خدمت ہی کا ذکر ہے چنانچہ لفظ یطوفون وغیرہ جو
اس مضمون میں وارد ہے وہ خود شاہد ہے اور اگر اصل غلامی سے انکار ہے تو اوسکا جواب یہ ہے کہ خداوند علیم و خبیر
قواعد انتظام یوروپ کا پابند نہیں وہ خود مختار ہے جو چاہے حکم دے باایں ہمہ عقل سلیم کے نزدیک یہ حکم اس درجہ
کو مستحسن ہے کہ اہل عقل ہی جانتے ہیں گھوڑا اگر سواری نہ دے تو گو عراقی ہو گدھے سے کم ہے اور کیوں نہو گدھا
کچہ تو کام دیتا ہے ایسے ہی جو آدمی بندہ ہوکر بندگی نہ کرے یعنی اطاعت حکم مولا نہ کرے اور اوسکے نائبوں
اور حکناموں کو نہ مانے وہ جانوروں سے بھی پرے ہے اور کیوں نہو جانور سرتابی تو نہیں کرتے جو معتوب
خدا ہوں پھر اسکے کیا معنی کہ گائے اور پیپل تو ہندوؤں کا معبود ہوکر بھی ہندونکا مملوک ہو جائے اور اوسکی
بیع و شرا کا اختیار ہو اور مخالفان خداوندی جو جانوروں سے بھی پرے ہیں خدا کے ملازمان خاص و بندگان
با اختصاص کے ملک میں نہ آنے پائیں ۔ اور نسبت شہد اور دودھ کی نہروں سے بھی آپ کو نفرت اور کدورت
ہے اور کیوں نہو مذاق عقل اسقدر درست و سیر بھی نفرت اور کدورت نہو نہ معلوم خدا کو لالہ صاحب کی خیال کے

میں اتنی قدرت نہیں جو شہد اور دودھ کی نہریں جاری کر سکے یا بندگان اطاعت پیشہ اس انعام کے قابل نہیں بلکہ لہو پیپ پاخانہ پیشاب کی نہریں جھیلیں آپکے نزدیک اونکے لئے چاہئیں معہذا وید ونمیں جن نہرونکا بیان ہے وہ کیونکر قابل تسلیم ہوگئیں اور کھیر کا سمندر کیونکر واجب التسلیم ٹھیرا علی ہذا القیاس آسمان کے سوتے ہونے اور فرشتوں کے بشکل آدمی پردار ہونے اور چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے میں اور آسمان پر چلے جانے میں اگر اسوجہ سے تامل ہے کہ یہ باتیں خدا کی قدرت سے خارج ہیں تب تو یہ اعتراض لالہ صاحب اپنے نیفے ہی میں سلفے کی جا لگا رکھیں اگلے زمانے میں جب ایسے ہی سب عالم فاضل ہو جائیں گے جیسے لالہ صاحب کام آئیگا اور اگر کسی دلیل عقلی سے اسنے رسائی پران باتونکا غلط ہونا ثابت کر لیا ہے تو وہ وجہ ثبوت کسدن کیلئے حضور کی جیب میں مخفی ہے علاوہ بریں آسمان کا موٹا پا مہادیو کی لنگ کی درازی سے تو زیادہ نہیں جو بشن کو چنا لگے نہ برہما کو اور آسمان پر اڑجانا بشن اور برہما کے اکاس اور پتال کے جانے سے تو زیادہ تو نہیں جو یہ استبعاد ہے اور فرشتونکا بشکل آدمی ہونا مچھودری کے تولد کے قصہ اور ہنومان جی وغیرہ اوتاروں اور گنیش جی اور بشن اور برہما کی اشکل نہیں وسوو رہو کر اوپر نیچے جانے اور راون کی اشکال سے تو عجیب نہیں چاند کا پھٹ جانا ارجن کے سورج میں سوراخ کرنے اور چاند سورج کے زمین پر بغرض زنا اوتر آنے اور سورج کے روز بنارس کے مقابل آکر ٹکڑے ہو جانے اور بسوامتر کے زمانہ کے انشقاق قمر سے تو کم نہیں جو یہ انکار ہے اور اگر ان قصونکو آپ تسلیم نکریں تو کیا وجہ اگر روایت بزرگان ہنود قابل اعتماد ہے تو وید میں اور اون کتابوں میں جنمیں یہ قصے مذکور ہیں کچھ فرق نہیں بلکہ بایں وجہ کہ وید سب کتابونکی نسبت پرانی اور قدیم کتاب ہے اور پھر نسبت اور کتب کمیاب جس سے یہ عیاں ہے کہ اہتمام حفاظت کتب مناظرہ بہ نسبت وید زیادہ ہے اگر قابل انکار ہے تو وید ہے اور اگر روایت بزرگان ہنود قابل اعتماد نہیں تو نہ سہی چشم ما روشن دل ما شاد ہم بھی یہی کہتے ہیں اونکے کتب کے مضامین خود اس پر شاہد ہیں تو پھر نہ معلوم وید میں کیا فوقیت ہے جو وہ تو واجب التسلیم ہو اور کتب باقیہ نہوں سند متصل یہاں سے لیکر اوپر تک اور کسی کتاب کی تو شاید ہو بھی مگر وید کی سند متصل تو تمام عالم میں کہیں نہیں اگر ہو تو لالہ صاحب لائیں اور سنائیں اگر ہے تو یہی ہے کہ مصنفان کتب ہنود وغیرہم بزرگان قوم ہنود جو اون کتب اور اون افعال نونکو مانتے چلے آئے ہیں وید کو بھی مانتے چلے آئے ہیں مگر اسصورت میں اگر وید واجب التسلیم ہے تو اور کتب بدرجہ اولے اور اگر بلحاظ خوبی مضامین اور کتب سے انکار ہے تو اسوجہ سے بھی وید ہی زیادہ انکار کے لائق ہے آفتاب پرستی اور شرک سے یہ مضامین زیادہ بھرے نہیں اگر اور کتب میں وہ مضامین ہیں تو وید میں یہ خوبیاں ہیں چونکہ آپکے محل اعتراض کا پتا قرآن میں صحیح نہیں

بتایا ہم بھی محل اعتراض کا پتہ و ید میں ہے نہیں بیان کرتے مگر ہر چہ بادا باد گناہ میں بھی شرک سب گناہوں سے بڑھا ہوا ہے اور
خلاف واقع ہونے میں بھی خبر شرک اور غلط خبروں سے بڑھی ہوئی ہے یعنی اگر فرض کرو آفتاب کا اوترنا اور زنا کی نا غلط
ہو تو نہ ایسا محال ہے جیسا مدلول شرک یعنی غیر خدا کا مستحق عبادت ہونا اور نہ اتنا بڑا گناہ ہے جتنا شرک زنا
ایک کیا ہزار کیوں نہو جب ایک شرک کی برابر نہیں ہو سکتا رہا حسب مراد حضرت پیغمبر صاحب صلے اللہ علیہ وسلم
احکام کا آنا خدا جانے کس نشہ میں آپکو یہ بات سوجھی ہے قرآن میں بہت مواقع میں آپ کی خلاف رائے اور
خلاف آرزو احکام آئے ہوئے موجود ہیں اور کہیں یہ نہیں کہ احکام خداوندی موافق رائے نبوی ہیں بلکہ
ان الحکم الا للہ وغیرہ آیات سے سب کی بے اختیاری اور عدم مداخلت ثابت ہے اور اگر کہیں بنظر ترقی دینی کسی بات
کی آرزو ہوئی اور اوسکے موافق حکم ہو گیا تو اسمیں خدا کی خدائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بندگی میں
کیا فرق آگیا جو اتنا انکار ہے بلکہ ترقی دین کیلئے کسی حکم کا انتظار کرنا یا اپنی رفعت مراتب کیلئے کسی حکم کا آرزو مند
ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بندگی اور بیچارگی اور خداوند عالم کی خداوندی اور خود مختاری پر اور بھی دلیل
کامل ہے اب جناب اوسکی قسموں کی بابت سنئے اسمیں اگر اسوجہ سے کلام ہے کہ بندہ خدا کی قسم کھاتا ہے اگر خدا بھی کسی کی قسم کھائے تو
یوں کہو جسکی قسم کھائی وہ خدا کا بھی خدا ہوا تب یہ خیال باطل آپ ہی کا ایجاد بندہ ہے قسم اوسکی کھایا کرتے ہیں
جو سب میں زیادہ عزیز ہو سو بندوں کو سوا خدا کے اور کوئی عزیز نہونا چاہیے اسلیے سوائے خدا اوروں کی قسم اونکو ممنوع ہوئی مگر خدا
کو پیارے ہیں تو اپنے پیارے بندے اور عمدہ مصنوعات پیارے ہیں اسلئے اوسکے حق میں انکا قسم کھانا برا نہیں ہو سکتا اور اگر وجہ
یہ ہے خدا کی قسموں میں تامل ہے کہ خدا کو یہ بات زیبا نہیں تو اول تو نازیبا نہونیکی کیا وجہ اعتراض کیا تھا تو وجہ بھی بیان کرنی
تھی ہو بے وجہ اعتراض کرنا ایسا ہے جیسا کسی نے کہا ہے ٭ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں ٭ دوسرے ایک خبر ہوتی ہے ایک حکم
ہوتا ہے حکم میں تو قسم کا محل ہی نہیں ہوتا کیونکہ تاکید واقعیت کے لئے قسم کھایا کرتے ہیں سو واقعیت غیر واقعیت حصہ خبری
انشا کو اوس سے سروکار ہی نہیں اسلئے حکم میں اگر نہو اور خبر میں قسم ہو تو مزید توثیق و اطمینان ہے سو جہان دلائل اثبات
نبوت سے بندوں کے اطمینان کئے جاتے ہی وہاں اس قسم کا اطمینان بھی ہو تو زیادہ لطف کی بات ہے علاوہ
بریں یہ باتیں مزید قرب نبوی و بعد مخالفین پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ قسمیں وقت لطف و انبساط کھایا کرتے
ہیں یا وقت قہر و غضب و رنج و ناخوشی مگر بروے عقل وہی غضب محل قسم ہونا چاہیے جو مقابل لطف
و انبساط مذکور ہو سو بوجہ قرب منزلت جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مورد عنایت و لطف
و انبساط مذکور تھے ایسے ہی مخالفان حضرت مورد عتاب مشارالیہ کیونکہ جسقدر آپ پر کرم ہوگا مخالفہ

آپکے مخالفوں پر قہر لازم ہے اسلئے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب میں خدائیتعالی کا قسمیں
کھانا آپکے قرب منزلت پر دال ہے ایسے ہی مخالفان نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کے خطاب میں قسموں کا کھانا
اون کے مقہور و مغضوب ہونے پر دلالت کرتا ہے اور در حقیقت یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
علو شان اور قرب منزلت کیطرف مشیر ہے مگر ہاں جو کتاب خدا کی کتاب نہو یا کتاب ہو کر خدا کا کلام نہو
یا وہ شخص جسکو وہ کتاب عطا ہوئی ہو ایسا مقرب نہو جو وہ مورد لطف و انبساط اور اوسکے مخالف مورد
عتاب و انقباض بقدر مذکور رہوں تو پھر اگر اوس کتاب میں قسم نہو تو اور کیا ہو اور اوس کتاب والے
لطف قسم مذکور کو جائیں تو کیا جائیں باقی ریلج کا قصہ اوسپر بھی لالہ صاحب ناک مونھ چڑھاتے ہیں مگر عقل
نہو تو اور کیا کریں سنئے موجب اطاعت یا حکومت حاکم ہے یا محبوبیت محبوب حکومت کے مقابل میں
اوپر خوف ہوتا ہے اور محبوبیت کے مقابلہ اوپر محبت مگر سب جانتے ہیں کہ اطاعت خوف اطاعت محبت کے
ہم پلہ نہیں ہو سکتی ہاں جسکو محبت کی باتوں کی خبر نہو وہ کیا جانے لیکن آداب حکومت اور نیاز محبانہ کا ایک
انداز نہیں ہوتا وہاں خودداری ہے تو یہاں از خود رفتگی وہاں سنجیدگی ہے تو یہاں دیوانگی وہاں
دربار کیلئے دستار و قبا کی ضرورت ہے تو یہاں کوچہ یار میں جانے کیلئے سر برہنہ پا برہنہ درکار وہاں اگر اصلاح
و حجامت کی ضرورت تو یہاں نہ سر کی خبر نہ ناخن کی خبر وہاں اگر دست بستہ مودب کھڑے ہوتے ہیں تو
یہاں پروانہ وار اپنی شمع رو کے نثار ہونا پڑتا ہے وہاں اگر انتظار اجازت میں در پر استادہ ہیں تو یہاں
شوق دیدار میں کوچہ کے اس سرے سے اوس سرے تک مارے مارے پھرتے ہیں وہاں اگر کوئی ایسی ویسی
سنا کر روک دے تو سہ جائیں اور یہاں ناصح نادان کو پتھر حوالہ کریں وہاں اگر بجبر کچھ نذر پیش کرتے ہیں تو یہاں
بدل و جان جان و مال کو قربان کرتے ہیں غرض کہانتک کہئے محبت کیش خود جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے وہ
کیا جانیں مگر جسکو یہ معلوم ہوگا وہ ارکان حج پر تو کیا اعتراض کریگا البتہ یہ سمجھ جائیگا کہ جس دین میں یہ
حکم نہیں تو نہ وہ دین اعلی درجہ کا دین ہو سکتا ہے اور نہ وہ نبی جو وہ دین لیکر آیا ہے اعلی درجہ کا مقرب ہو سکتا
ہے کیونکہ محبت اعلے مقامات سلوک میں سے ہے خوف تو ایک وجہ سے محبت کے ماتحت ہے کیونکہ اپنے مطاع اور
حاکم کی محبت نسہی پر جس چیز کے زوال کا خوف ہے اگر اوسکی محبت نہو تو نہ خوف ہو اور نہ اطاعت ہو پر محبت
کسیطرح خوف کی ماتحتی میں نہیں اور سوا اسکے اور اوصاف حمیدہ مثل حسن اخلاق و سخاوت وغیرہ وہ سب
اوسی کا رگذار ہیں محبت کے محتاج ہیں کچھ شائبہ محبت ہوگا تو حسن اخلاق اور سخاوت ہوگی نہیں تو نہیں اور اگر

اوسکی محبت نہو جسکے ساتھ حسن اخلاق وسخاوت ہو تو اوسکے مال اور ثواب کی محبت تو کہیں نہیں گئی غرض
کمالات عملیہ میں سے محبت سب پر حاکم ہے اسلیئے وہ عبادت جو اوسکے متعلق ہو اور دو عبادتوں سے بڑھکر ہوگی اور وہ
عبادت نہوگی تو یوں جانو نہ وہ دین مثل اوس دین کے کامل جسمیں اس قسم کی عبادت ہو اور نہ وہ شخص جو اوس عبادت سے
مشرف نہیں ہوا بحیثیت دیگر اعمال اونکے ہم پلہ جو یہ شرف رکھتے ہیں لیجئے آپکے واہیات خرافات کا جواب تو ہو چکا آپکے
وہ سوال رہے جو چاندا پور میں پیش ہوئے تھے تحریر تو آپکی تحریر سے ثابت ہوا کہ وہ سوالات پنڈت جی ہی نے تجویز کیے تھے چنانچہ
عبارت (ہاں ہم اگر اس سوال پر کہ خدا نے دنیا کو کس چیز سے بنایا ہے ناز کریں تو بجا ہے الخ) جو صفحہ ۲۲ سطر ۱۲ میں واقع
ہے اسپر شاہد ہے غرض جو شخص آپکے اس رسالہ کو دیکھیگا وہ اتنی بات سمجھ جائیگا کہ پنڈت جی نے وہ سوالات تجویز کیے تھے
اور پھر بعد تحقیق آپکی درماندگی اور مولوی محمد قاسم صاحب کے کمال کا کیونکر قائل نہوگا یعنی پنڈت جی ہی سوال تجویز کریں اور
پھر اونکے جواب ہم پلہ جوابات مولوی صاحب موصوف نہوں اسکے معنی بجز اسکے اور کیا ہیں کہ جس بات کو بزعم خود سوچے
سمجھے بیٹھے تھے ایک شخص کی تقریر طبعزاد کے سامنے گرد ہو گئے علاوہ بریں یہ بھی کہیں دستور ہے کہ آپ
ہی آپ سوال تجویز کریں اور پھر معرکہ امتحان میں اون لوگوں کی برابر بیٹھیں جو بالکل بیخبر ہیں یہ کام اوسی
کا ہوتا ہے جو لیاقت امتحان نہیں رکھتا اسکے بعد یہ عرض ہے کہ ہمارے تو پانچ چھ سوال ہضم کیے بیٹھے ہو اور دو چار
سوال پیش کرتے ہو اسکے یہ معنی کہ اونکے جواب تو آتے نہیں ان سوالوں ہی کو پیش کرکے وقت کو ٹالئے
سنئے اول ایک بحث سے فارغ ہو لیں جب کہیں اور جائیگا اور پھر آپ پوچھینگے اور آپکے پیچھے پیچھے ہم ہونگے
با اینہمہ دو سوالوں پر چاندا پور میں بحث رہی تھی پنڈت جی نے تو جتنے زور مارے تھے سو سب زائد روئداد
میلہ چاندا پور میں مندرج ہے اور مولوی محمد قاسم صاحب کی تقریر بعض احباب راقم کے پاس غیر مطبوع مدت سے دھری
ہے یا اوسکو منگا لیجئے اور موازنہ فرمائیے یا بکر خیالات معروضہ رسالہ ہذا کو مطالعہ فرمائیگا اور پھر جو کچھ فرمانا ہو فرمایئے
میں نے بھی دونوں سوالوں کا جواب بلکہ پانچوں سوالوں کا جواب اور باتوں کی ضمن میں عرض کر دیا ہے کوئی مطول
ہے کوئی مختصر ہے غرض یہ نہوگا کہ آپ جان چھوڑا کر بحث اصلی سے نکلجائیں شعر ؎ ہمکو فریب دوگے کہاں
تک ہم آپکے ؎ واقف ہیں بات بات سے اور گھات گھات سے + لالہ صاحب ذرا تو مقابلہ میں ٹھہریے تھوڑے ابھی
کے دن ہیں جو یہ اڑان گھائیاں بتلانے لگے ہیں سچ کہتا ہوں انشاء اللہ پھر انشاء اللہ خدا کی مدد سے ایسا
چت کیا ہوگا کہ تم بھی یاد ہی رکھوگے آپ اسکو بوجہ بیخبری تکبر کہتے ہیں اور ہم اسکو عین عجز سمجھتے ہیں تماشا
ہے کہ آپ تو بوجہ خوشامد ملکہ معظمہ کو اتنا بڑھائیں کہ اونکی عظمت اور شوکت اور حسن انتظام کے مقابل کسی

بادشاہ کی حقیقت نہی اور ہم خدا کے بھروسا اور اوسکے دین پاک کی حقانیت کے اعتماد پر اگر یہ
یقین کریں کہ اور ہمسے عہدہ برا نہیں ہو سکتے تو یہ کفر ہوجا یہاں بھی آپکو کفر ہی کی سوجھی لالہ صاحب یہ خدا
کی اور اوسکی دین کی بڑائی ہے ہماری بڑائی نہیں ہماری عاجزی تو اسی سے ظاہر ہے کہ اپنے آپکو بندہ مجبور
سمجھکر سر نیاز خم کر لیا اور اطاعت کی ٹھان لی تکبر تو جب ہوتا کہ آپ کی طرح ہم بھی سرتابی کرتے اگر
کوئی سپاہی معرکہ جنگ میں یا کوئی سفیر کسی دربار میں فخریہ یوں کہے کہ ہم یوں کرینگے تو یہ اوسکا فخر نہیں
ہوتا اوسکے آقا کا فخر و افتخار سمجھا جاتا ہے اب سنئے اگر آپ کو میدان مباحثہ سے بھاگنا ہے تو صاف
صاف کہدیجے پھر بوجہ دعوی قدامت مذہب آپ اول ان سوالوں کے جواب لکھئے پھر ہم سے طلب
کیجے ہمسے جب آپکے مذہب کو منسوخ یا باطل سمجھکر چھوڑ لیے اگر آپکو اثبات مذہب مد نظر ہے تو دعوے
حقیقت مذہب کو پیش کیجے اور نہ پیش ہو سکے تو پھر ہمسے پوچھئے غرض یہی سوال سہی پر سوال پیش شدہ
کے جواب سے درماندگی ظاہر کر کے اول آپ کچھ بولئے اور نہ بولا جائے تو معترف بعجز ہو کر ہمسے پوچھئے پھر انشاء
اللہ ہمیں بتلائیں گے بلکہ انہیں اوراق میں سے نکالکر دکھلائیں گے اور منشی محمد حیات صاحب بیچارہ کا آپ
ناحق ذکر کرتے ہیں وہ صاحب اخبار ہیں جو کوئی کچھ بھیجدے چھاپنے کو وہ اوسکی چھپائیکا منصب رکھتے ہیں
اگر آپ بھجواتے اور وہ نہ چھاپتے تو البتہ جائے شکایت تھی غرض وہ صاحب اخبار ہیں معترض وجہ نہیں باقی
رہی پنڈت جی کی تعریف اور مولویصاحب کی توہین اوسکا حال یہ ہے کہ اگر چاند پر خاک ڈالنے اور بہتر ونکے
چھپنے کی چاند بنانے سے کام چلا کرتا تو آپ کی یہ سخن سازی اور حیلسازی بھی چل جاتی مگر ہاں تمہاری وہی
پیش قاضی آئی رابھی آئی اسلئے پنڈت جی بھی آپکے دل میں بسے ہوئے ہیں اسکے ساتھ اگر آپ اتنا
اور بھی رقم فرما جاتے کہ پنڈت جی بھاگتے پھرتے ہیں اور مولویصاحب اونکے پیچھے پیچھے ہیں تو پنڈت جی
کی فتحمندی اور مولویصاحب کی شکست اور اون کی چارہ جوئی خوب آشکارا ہوجاتی ہم بھی اس
فرار و تعاقب سے انکار نہ کر سکتے اسوقت بجز اسکے اور کیا عرض کروں شعر ذوق سے بھلی ہے
گل کی نزاکت پہ چمن میں بلبل ✦ اس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے ✦ و آخر دعوانا ان الحمد
للہ رب العالمین ✦ نویں یا دسویں رمضان شریف ۱۲۹۶ھ کو لکھنا شروع کیا تھا اور بحمد اللہ
تعالے ۲۱- ماہ مذکور روز شنبہ کو ختم کیا ✦ گر قبول افتد زہے عز و شرف فقط -

التماس راقم بخدمت لالہ انندلال صاحب سکرٹری آریہ سماج میرٹھ

لالہ صاحب آپ کی بدزبانی کے صلہ میں ہیں نے بھی آپکا اور آپکے بعض احباب کا ذکر کرکے اپنی
اوقات ضائع کی ہے اگر آپ فہیم ہونگے تو ایکی بار سمجھ ہی جائیں گے اگر آپ اسپر بھی باز نہ آئے تو ہم
بھی یوں سمجھ کر ع کلوخ انداز را پاداش سنگ ست + آپکی پاداش کیلئے آیندہ کو دست بسنگ ہیں
خیر اس باب میں تو آپکو اختیار ہے مگر اتنا ملحوظ خاطر رہے کہ اس جواب کا جواب ایسا نامعقول نہو جیسا
اعتراض کا جواب تھا اگر ایسا ہی لکھو تو اسکو اپنے بستہ ہی میں رہنے دینا دیکھنے والوں کی اوقات
خراب نہ کرنا ہاں اگر ایسا جواب پورا لکھا جیسا ہمنے بات بات کا جواب لکھا ہے - اور کیا لکھوگے کچھ
لیاقت ہو تو لکھو - تو پھر یوں امید ہے کہ ہمارے آپکے انشار الصدور تک گہری چھنے گی اور دیکھنے والوں کو
خوب ہی سرور آئینگے جب سے اس نیاز نامہ کو شروع کیا ہے آپ ہی کا دھیان رہتا ہے + ؎
رہتا ہے سر زلف معنبر کبھی دل سے + کالی کا جپا کرتا ہوں منتر کئی دن سے + مگر دیکھئے اسکا انجام کیا ہوتا
ہے آپ کس رنگ کا بھیس بدلتے ہیں اور اس کے جواب میں آپ لطف کرتے ہیں یا ستم کرتے
ہیں خیر ہمارا کام انتظار ہے جس طرح چاہو پیش آؤ فقط -

الراقم بندہ کمترین گنہگار عبد العلی عفی عنہ -

٢١ - رمضان ۱۲۹۶ھ روز سہ شنبہ